کے
غیر مطبوعہ مرثیوں کا
مجموعہ
مرتبہ
مہذب
لکھنوی
ممتاز الافاضل

خوش خبری

دیوان حضرت رشید لکھنوی

صدر انجمن محافظ اردو حضرت مہذبؔ طاب ثراہ کی شبانہ روز کی انتہائی سعی و جانفشانی کے بعد حضرت رشید لکھنوی رحمۃ اللہ کا دیوان دستیاب ہو گیا جس کی ترتیب و تصحیح جاری ہے بہت ممکن ہے کہ [illegible] قرار دے دیا جائے اور اہل ذوق تک یہ بے بہا جوہر بڑی آب و تاب کے ساتھ پہونچا دیا جائے گو جناب رشید رحمۃ اللہ کے انتقال کو تقریباً تیس سال گزر گئے خود معاصرین [illegible] کلام سننے والے اکثر و بیشتر دنیا کو خیرباد کہہ چکے پھر بھی بحمد اللہ بکثرت وہ حضرات موجود ہیں جنھوں نے حضرت رشید کو منبر پر مرثیہ پڑھتے ہوئے اور مشاعروں میں غزل پڑھتے دیکھا انجمن محافظ اردو جس قدر بھی فخر کرے کم ہے۔ اس لیے کہ ایک ایسے استاد کا کلام بلا غلط نظام پیش کر رہی ہے جس نے آخر دور میں دنیائے شاعری میں کوس لمن الملک بجایا ہے۔ حضرت رشید کی خوش گوئی۔ کلام کی سادگی۔ تخیل کی ندرت۔ زبان کی نرمی کا سکہ اہل کمال کے دلوں پر بیٹھا ہوا ہے۔

حضرت رشید کو شاگرد و برادر زادہ حضرت عشق و تعشق و نبیرہ حضرت انیس ہونے کا شرف حاصل تھا۔ ایسی ہستی کا کلام پیش کرتے ہوئے انجمن محافظ اردو اہل کمال و ذوق کو توجہ دلانا چاہتی ہے کہ دیوان موصوف ضرور ملاحظہ فرمائیں اور جلد از جلد بذریعہ خط مطلع فرما کے اپنا نام نامی فہرست خریداران میں اضافہ کرنے کا حکم فرمائیں۔

(ادارہ)

انجمن محافظ اردو لکھنؤ کی چودھویں خدمت

اور

ماہانہ سلسلہ اشاعت کی بارھویں کڑی

اسرار محسن

مرتبہ

صدر
انجمن محافظ اردو
حضرت مہذب لکھنوی
ممتاز الافاضل

باہتمام

سید حسن اکمال
سکریٹری انجمن محافظ اردو
منصور نگر نیا محل
لکھنؤ

قسط ماہ نومبر سنہ ۵۱ء

قیمت فی جلد دو روپیہ

مطبوعہ سرفراز قومی پریس لکھنؤ

فہرست

باسمہٖ سبحانہٗ

میں اس مختصر تالیف کو عندلیب باغ جنت حضرت رانی سلطنت مرحومہ و مغفورہ اہلیہ (خان بہادر) جناب نواب سید حامد حسین خاں صاحب دام اقبالہ کے نام نامی سے معنون کرتے ہوئے مراثی کا ثواب ہمیشہ ہمیشہ کے لیے قربۃً الی اللہ روح مرحومہ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔

خیر طلب
مہذب بقلم خود
۲۵ رجب ۱۳۵۲ھ
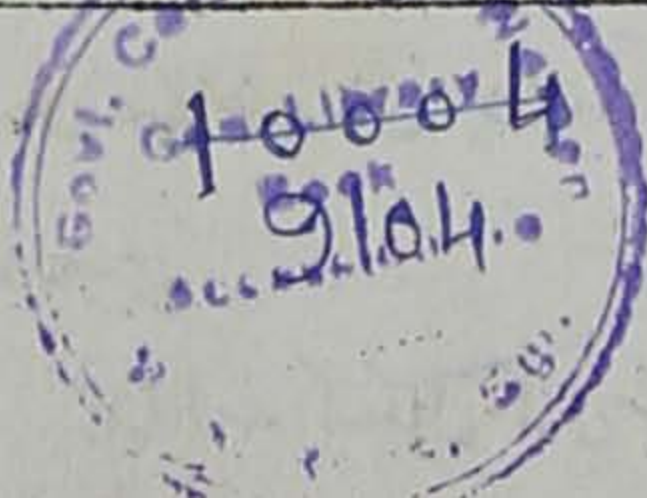
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

جمعے کے دن تربت عاشق پہ آیا کیجے
آٹھ دن میں ایک دن رکھیے ہماری یاد کا
تعشق

یاد رفتگاں بڑی اہم شے ہے۔ مرنے والے محتاج ہیں کہ اُن کو یاد کیا جائے ہر مذہب و ملت میں اپنے مرنے والے کو یاد کرنا۔ ایک اہم فریضہ قرار دیا گیا ہے۔ اس کے لیے مختلف صورتیں مختلف طریقے اختیار کئے جاتے ہیں۔ کہیں یادگار بناکے یاد کیا جاتا ہے کہیں مجلس کی بنا کر کے یاد تازہ کی جاتی ہے۔ کوئی مجسمہ تیار کر کے یاد رکھنے کا ذریعہ قرار دیتا ہے۔ کوئی محلہ اور مکان کو منسوب کر کے زمانہ مستقبل کے آنے والے خطوط کا واضح اور روشن پتے کی بناڈالتا ہے۔

وہ ہستیاں جنھوں نے دنیاوی زندگی کو ضائع و برباد نہیں کیا۔ بلکہ آنے والی نسلوں کے لیے اپنی غیر معمولی محنت شاقہ و ریاضت کے بھروسے پر ایسے بیش بہا اور گراں قدر کارنامے چھوڑ گئے جو مشعل راہ و خضر طریقت کے جانے کے لائق ہیں۔

بدنصیب ہیں وہ ہستیاں جو کمالات و مجربات کو سینے میں رکھ کے زیر زمیں چلی گئیں۔ اور دنیا کو فیض سے محروم کر گئیں۔ خوش قسمت ہیں وہ صاحبان کمال جنھوں نے اپنا کمال دوسروں کے لیے فیض رساں ثابت کر دیا۔ اور اہل عالم ان کے کمال و تجربات سے عام فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

منجملہ کمالات ایک کمال۔ کمال شاعری بھی ہے۔ شاعری ہر ملک اور ہر قوم کا عام

رواج کہلاتی ہو۔ ہندستان کی کوئی زبان۔ شعر وسخن کی نعمت سے محروم نہیں۔ خصوصاً اردو۔ کہ اس زبان کے شاعر ہر ملت و مذہب کے افراد موجود ہیں اور گزر گئے۔ اصناف شاعری میں ایک صنف صنف مدح بھی ہو۔ موضوع مقام چونکہ مدح اہلبیتؑ ہو۔ اور خصوصیت سے مدح سید الشہداءؑ۔ اسلیے بغیر کہے نہیں رہا جاتا کہ مدح کی اس صنف میں جس قدر اہل لکھنؤ نے حصہ لیا۔ کسی اور مقام کے شعرا نے شاید دل جسپی نہلی ہو۔

لکھنؤ ایک ایسا خوش نصیب مقام ہو جہاں تعشق مرحوم سا جامع الصفات شاعر پیدا ہوا انیس مرحوم سا یکتائے زمانہ خوش فکر نے طبع آزمائی کی۔ دبیر مرحوم سا وقت پسند۔ مدح کے دریا بہا گیا۔ عشق ایسے مسلم الثبوت محتاط استاد نے دائرہ احتیاط میں مقبولیت کی سند حاصل کی۔ کوئی صاحب عقل وفہم منصف مزاج انسان۔ یہ کہنے کو تیار نہ ہوگا کہ مداحی اور نازک خیالی انیس و تعشق پر ختم ہوگئی۔ یا دبیر و عشق پر بلند پروازی کا خاتمہ ہوگیا۔

مدح جناب سید الشہداءؑ ایک ایسا ناپیدا کنار بحر ذخار ہے کہ جس کسی نے غواصی کی در مقصود ضرور ہاتھ آیا۔

اُس وقت جب کہ چاروں اُستادان مذکور الصدر چار دانگ عالم پر چھائے ہوئے تھے اور سکہ چل رہا تھا دوسرے مداحوں نے مداحی کی اور شرف مقبولیت سے شرفیاب ہوئے مبدءِ فیاض میں کمی نہیں حسینؑ کی رحمت عام میں نقص نہیں جس نے مانگا پایا۔ جس نے فکر کی نیا مضمون ہاتھ باندھ کے سامنے آیا۔ اس دور کے ختم ہونے کے بعد دوسرے دور میں۔ ایک سے ایک اُستاد پیدا ہوا۔ دل کھول کے مداحی کی۔ تمام عمر خدمت سید الشہداءؑ میں بسر کی۔ سیکڑوں مرثیے ہزاروں رباعیاں۔ سیکڑوں سلام کہہ ڈالے اور ایسا لیا کہا کہ اہل دنیا پر سکہ بٹھا دیا۔ دنیا کہنے کو مجبور ہوگئی کہ دور اول سے جو چیزیں رہ گئی تھیں۔ آج کان اُن چیزوں سے آشنا ہو رہی ہیں۔ دوسرے دور کے بعد تیسرا دور

شروع ہوا بڑی بڑی باکمال ہستیاں لکھنؤ نے پیدا کیں۔ پہلے اور دوسرے دور کے علاوہ نئی چیزیں پیدا کر کے عقل عالم کو دنگ کر دیا۔

حاصل کلام یہ کہ مدح اور خوش گوئی کسی خاص فرد کسی خاص خاندان سے پائے تام نہیں جس نے کوشش کی پایا۔ جس نے سعی کی منزل مقصود تک پہونچا۔ پر خلوص سے مدح کرنے والے پر نظر مرحمت مظلوم کربلا پڑی۔ اور حسب ظرف جس قدر دینا تھا دیا۔ اسی طرح مسلسل ایک دور کے بعد دوسرا دور شروع ہوتا رہا۔ اور اپنے فرائض کو انجام دے کے ختم ہوتا رہا۔

شہرت وعدم شہرت کوئی خاص چیز نہیں۔ بہت سے ایسے خوش نصیب مداح ہیں جن کی اہلیت اس پایہ کی نہ تھی۔ مگر نام اتنا پیدا کیا کہ دنیا کو رشک کا موقع مل گیا بہت سے ایسے پر خلوص مداح ہیں جو اپنے کمال فن میں یکتائے دہر تھے مگر سوائے اہل محلہ یا چند اہل شہر کے کسی نے یہ بھی نہ جانا کہ کب دنیا میں آئے اور کب خاموش چلے گئے۔ باکمالوں کا کلام۔ اُن کے اُٹھ جانے کے بعد پس ماندگان کے ہاتھ لگا۔ ان کی نا اہلیت کا کھلا ہوا ثبوت یہ ہے کہ نہ خود طبع کرایا نہ دوسروں کو توجہ دلائی۔ لکھنؤ اس معاملے میں بڑا بدقسمت ہے۔ کیا کیا ریاضتیں کیا کیا محنتیں باکمالوں کی سر زمین لکھنؤ پر تباہ و برباد ہو گئیں اب تک جن جن دشمنان زبان و ادب کے پاس اساتذہ متقدمین کا وہ کلام جو دنیا میں ایک عظیم انقلاب پیدا کر دے۔ محفوظ ہے وہ ناز سے یہ فرمایا کرتے ہیں کہ ہے مگر کسی کو دیں گے نہیں۔

حقیقتاً ایک وجہ یہ بھی ہے کہ دلی ارمان یہ ہے کہ ہم طبع کرا کے فائدہ اٹھائیں اس کا موقع ہاتھ نہیں آتا۔ یہاں تک کہ خود دنیا کو خیر باد کہہ دیتے ہیں۔ دنیا سے جانے کے بعد اُن جواہر ریزوں کی مالک زوجہ ہو جاتی ہے۔ زوجہ کیا جانے کہ یہ کیا ہے زوجہ کے بھائی صاحب باہر ہی باہر کسی نہ کسی سے بات چیت طے کر کے کوڑیوں کے مول فروخت کر لیتے ہیں اور وہ کلام کسی بیچنے والے کے قبضے میں آ جانے کے بعد جب کبھی نئی طرح نکلتی ہے۔ تو وہی

کلام غیر مطبوعہ الٹ پلٹ کرکے دیکھا جاتا ہے۔ اگر ہر طرح غزل نکل آئی تو صرف تخلص بدلنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر غزل نہ ملی تو مضمون چرانا اس سبب جائز ہے کہ نیت ادا کی جاچکی ہے بہت ایسا بھی ہوا ہے کہ دوسرے کا مرثیہ اپنے نام سے پڑھ دیا جاتا ہے۔ اور اگر پورا مرثیہ نہ پڑھا تو بہتر سے بہتر بندوں کے گلے پر چھری پھیر کے اپنے لیے حلال کر لیا۔ نانا اور دادا کے کلام کو اس طرح چھپایا جاتا ہے کہ ایک مصرع بھی دوسرا نہ سُن سکے اور ہمہ وقت یہی کوشش رہتی ہے کہ کلام فروخت ہو جائے اور زر کثیر ہاتھ آجائے۔ بزرگوں کا نام مٹے یا رہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

اسی بنا پر صدر انجمن محافظ اردو لکھنؤ حضرت مہذب مدظلہ نے یہ زریں سلسلہ قائم کیا ہے اور خون جگر کیونکر کلیجے میں ہاتھ ڈال کے کلام حاصل کیا ہے۔ خدا کے فضل سے بارھویں قسط سلسلے کی طبع ہوئی ہے۔ اس میں کوئی کلام نہیں کہ دنیائے ادب زبان پر بہت بڑا احسان کیا ہے اور بہتر سے بہتر کلام اساتذہ متقدمین دستیاب جمع کیا ہے جو بالتا پیش کش ناظرین کیا جائے گا۔

کسی کا کلام ایک بار طبع ہونے کے بعد کم سے کم سو سال کی زندگی کی ذمہ داری ہو جاتی ہے یعنی نام زندہ رہنا ضروری ہوتا ہے۔ پیش نظر جلد میں حضرت ادب دانش دستیاب دیدہ حسین وذکی وقدیم و آہر کا وہ مایہ ناز کلام پیش کیا گیا ہے۔ جس کی مثال ملنا محال نہیں تو ناممکن ضرور ہے۔ اس نازک دور میں جس مستقل مزاجی سے یہ سلسلہ جاری رکھا گیا ہے۔ اہل نظر ہی محسوس فرما سکتے ہیں۔ خدا سے دعا ہے کہ مدد فرما۔ اور دلدادہ زبان و ادب کے دلوں کو پھیر دے کہ وہ صرف خریداری سے مدد فرماتے رہیں۔ اور جن جن حضرات کو بارہ بارہ قسطیں پہونچ چکی ہیں ان کو توفیق عنایت فرما کہ وہ چندہ سالانہ دفتر کو ارسال فرمادیں اور اپنے وعدوں کی اہمیت کو محسوس کریں۔

(ادارہ)

مرد میداں کیلئے دنیا میں ہمت چاہئیے

یہ مانا کہ دور بہت نازک دور ہے۔ ایک طرف کس مپرسی کی حالت میں زبان و ادب بلکہ دنیا اس فکر میں کہ اس پلی پوسی زبان کا جلد سے جلد اس طرح خاتمہ کر دیا جائے کہ صفحہ ہستی پر شائبہ وجود بھی نظر نہ آئے۔ یہ ایک ایسی بدیہی بات ہے جس سے اس دور کا پست سے پست طبقے والا اور بلند سے بلند طبقے والا انسان اگر انصاف کی کچھ بھی جگہ اس کے دل میں ہو انکار نہیں کر سکے گا۔ دوسری طرف دلدادہ زبان و ادب ایک تو ان کی کمی دوسرے ان کی آواز مثل اسی طوطی کے ہے جو کبھی نقار خانے میں اتفاقاً سے نکلی ہوئی ہو یہ غریب اپنی خوش الحانی سے دلوں کو مسخر کرنا چاہتی ہے مگر نقارہ کی گرج نما آواز کانوں کے پردوں سے اس طرح ٹکراتی ہے۔ قریب ہے کہ سننے والا گراں گوشی کی منزل تک پہونچ جائے۔

سب سے اہم شے اور زبان و ادب کی بدنصیبی کی آخری منزل یہ ہے کہ ہمارے دلوں سے جذبۂ احساس ختم ہوتا چلا ہے نہیں بلکہ ختم ہو گیا ہے۔

ہم اپنی محبوب زبان کو ختم ہوتے دیکھ رہے ہیں۔ لیکن ہمارے کان پر جوں نہیں رینگتی۔ ہمارے اسلاف نے بڑی ریاضتوں بڑی محنتوں سے پروان چڑھایا تھا ابھی بہار کے چند ہی روز گزرے تھے کہ فصل خزاں کے سخت سے سخت حملوں کا سامنا ہو گیا۔ باغبانوں کی مایوسی دل ہلائے ڈالتی ہے۔ اب صرف ایک طریقۂ کار ہی مناسب معلوم ہوتا ہے بلکہ ضروری ہے کہ زیادہ سے زیادہ اشاعتیں اردو زبان میں نکالی جائیں جتنے بیش بہا ذخیرے پوشیدہ ہیں منظر عام پر لائے جائیں اور خدمت گزار زبان و ادب کی ہمت افزائی کی جائے۔ ہمت افزائی کی سہل صورت یہ ہے کہ ان کی تصانیف اپنے کمرے کی الماری تک نہ پہونچ جائیں پھر شاید زبان و ادب فنا کے گھاٹ نہ اتر سکیں اور اگر کوئی نمایاں ترقی محسوس نہ ہو تو تنزلی کی بھی گنجائش باقی نہ رہے اور آپ کی تہذیب آپ کا تمدن باقی رہ سکے۔

خیر طالب مہذب لکھنوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حیاتِ ادب

کچھ دن ٹھہر سکے نہ جہانِ خراب میں
اکثر کو موت آ گئی عہدِ شباب میں

دنیا اور ناپائدار دنیا بے وفا دنیا۔ اس نے آج تک کسی سے وفا نہ کی۔ سیکڑوں نامراد ہزاروں ناشاد ارمانوں کی لمبی لمبائی دنیا دل میں لے کے جانب ملکِ عدم روانہ ہو گئے۔ ع

اتنا بھی بے وفا نے نہ پوچھا کہاں چلے

ایک پُر ارمان و نامراد ذات آج سے پچیس سال قبل سرزمین لکھنؤ میں ایسی گزری ہے جس کا قدر دان اہل کمال کو آج تک افسوس ہے یعنی سید حمید مرزا صاحب ادب خلف سید حسین مرزا صاحب عشق۔ باپ کے سب سے بڑے فرزند جانشینی کی حیثیت سے دوسرے حضرت عشق۔ چھوٹے بھائی سید خورشید مرزا صاحب۔ ایک بہن۔ جو جناب حکیم صفدر صاحب کو منسوب تھیں چھتیس[۳۶] سال چھ مہینے دار دنیا میں رہ کے اٹھائیسویں[۲۸] محرم ۱۳۱۴ھ یوم جمعہ چار بجے سہ پہر کو اس قضا کا سامنا کرنا پڑا جو ہیضے کے مرض کا لباس پہن کے آئی تھی۔ نئے محل کے امام باڑہ میں انتقال ہوا۔ زینبیہ عالیہ میں منبر کے چبوترے کے پاس دفن ہوئے۔ نواب امداد حسین خاں کی کربلا میں غسل ہوا۔ جناب مولانا مولوی میر آغا صاحب قبلہ مرحوم نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ شہر کی شاید کوئی ایسی باکمال و معتبر ہستی ہو جس نے شرکت نہ کی ہو۔ اہل لکھنؤ پر ایک خاص اثر تھا۔ گلی کوچوں میں کہرام تھا

آپ کی جوانی کی موت نے کما حقہ مداحی سید الشہداء کا ارمان پورا نہ ہونے دیا صرف چودہ[۱۴] مرثیے تصنیف فرما سکے جن میں سے ایک مرثیے کا پہلا حصہ نمونۂ کلام کے عنوان سے پیش نظر جلد میں پیش کیا گیا ہے۔ ہزاروں غزلیات اور سلاموں اور رباعیات کے مجموعے چھوڑے جو محفوظ ہیں۔ حضرت عشق کے انتقال کے بعد تمام تلامذہ نے آپ سے اصلاح لی حضرت عشق کی طرح بہ حیثیت احتیاط دسترد کات آپ لکھنؤ کے مستند صاحب فن، فارغ التحصیل مرثیہ گو گزرے ہیں آپ کے ہمعصر حضرت نفیس و وحید و اوج و کامل و طاہر و خورشید رحمہم اللہ تھے۔

آپ نے چار[۴] لڑکے دو[۲] لڑکیاں دنیا میں چھوڑیں۔ سب سے بڑے فرزند جو آج تک ماشاء اللہ جانشینی کا حق ادا کر رہے ہیں۔ جناب سید عسکری میرزا صاحب مؤدب مدظلہ ہیں ان سے چھوٹے فرزند جناب سید حسن میرزا صاحب ادیب مرحوم جو تقریباً باون سال دنیا میں رہ کے انتقال فرما چکے ہیں۔

آپ کا کھلتا رنگ دوہرا جسم میانہ قد تھا۔ چوگوشیہ ٹوپی انگرکھا شروع کا پائجامہ آپ کا لباس تھا آپ غیر معمولی منکسر المزاج و صاحب سخاوت انسان تھے وہی عہد کے جو لوگ اب تک زندہ ہیں مرحوم کے اوصاف ان سے سن کے لطف حاصل کیا جا سکتا ہے۔

خدا غریق رحمت فرمائے۔

(ادارہ)

۷۸۶

در حال حضرت حُر علیہ السلام

(بند ۱۰۷)

موت کو عاشقِ جانباز دُلہن کہتے ہیں
پھول ہر زخم کو مقتل کو چمن کہتے ہیں
بزمِ شادی ہے یہی دیکھ کے رن کہتے ہیں
تیغ کی چال کو الفت کا چلن کہتے ہیں
ظلمت و نور کی فرق آٹھ پہر ہوتی ہے
شام ہوتی ہے اُدھر صبح اِدھر ہوتی ہے

اہلِ دیں فوجِ بد ایماں سے نکل جاتے ہیں
شیر نبردوں کے نیستاں سے نکل جاتے ہیں
وصل کے دن شبِ ہجراں سے نکل جاتے ہیں
آشنا نوح کے طوفاں سے نکل جاتے ہیں
بے وفاؤں سے کہاں اہلِ وفا رکتے ہیں
اہلِ جنت کہیں دوزخ میں بھلا رکتے ہیں

پھر کے گمراہوں سے رہبر کی طرف جاتے ہیں
مڑ کے میخانۂ اطہر کی طرف جاتے ہیں
بھرے ساقیِ کوثر کی طرف جاتے ہیں
شوق سے کوچۂ دلبر کی طرف جاتے ہیں
داخلِ کعبہ ہوئے چلتے ہی بُت خانے سے
پنجتن ہاتھ لگے چار قدم جانے سے

زخمِ دل چپ رہے اہلِ جفا میں کیونکر شمعِ خاموش نہ ہو تیغ زدا میں کیونکر
طالبِ صبح کو مرغوب ہوں شامیں کیونکر برق تڑپے نہ بہت کالی گھٹا میں کیونکر
دلِ عاشق نہ کبھی صورتِ بسمل ٹھہرے
زیرِ سر زانوئے محبوب ہو تو دل ٹھہرے

مصطفٰی کون ہے یہ بار اُٹھانے والا کون ہے خون کے دریا میں نہانے والا
جانِ زہرا کے لیے جان سے جانے والا کون اندھیرے سے اُجالے میں ہے آنے والا
جانتے ہیں چمن آرائے وفا گل کس کو
کہتے ہیں فوجِ حسینی کا ہراول کس کو

سمجھے تمہید کو اپنا ہو کہ ہو بیگانہ کس وفادار کا پڑھنا ہے مجھے افسانہ
کون ہے شمعِ علیؑ کا جو بنا پروانہ جان دی خانۂ آباد کیا ویرانہ
بحرِ دریائے وفا کون بہادر دُر ہے
نام کیا اُس کا ہے کہہ دیجئے حُر ہے حُر ہے

آپ بے مثل وفادار نہیں اس میں کلام بھائی وہ رستمِ دستاں کا سمانے جو نام
بیٹے وہ فرزند کہ شرمندہ ہو جس سے ضرغام کام آئے جو دمِ جنگ وہ نایاب غلام
کس کو حاصل ہوئی یہ ناموری لاکھوں میں
دو ہی چار ایسے نکلتے ہیں جری لاکھوں میں

صورتِ احمدِ مختار ہیں محبوبِ حسینؑ ہر گنہ گار کی تائید کو موجودِ حسینؑ
عبد کے وہ بیٹے ہیں رحمتِ معبودِ حسینؑ توبہ حر کردہ بدل عفو بفرمودِ حسینؑ
پست کو کس نے کیا خلق میں بالا الیا
سب ایسا ہی نہ ہے بخشنے والا الیا

راہ میں ہو گئی تھی حُر سے ملاقات جہاں — شاہ نے سمجھا اُس نے کیا تھا یہ بیاں
جائیں پوشیدہ کسی راہ سے خضر دوراں — رات بھر چاند رہے چھپا وں میں تاروں کی ردا

کربلا میں اسد اللہ کا پیارا آیا
حُر مع فوج اُسی وقت قضارا آیا

محملوں ہی میں ابھی شہزادیاں تھیں ناقوں پر — نصب ہوتے تھے لبِ نہر خیام سرور
گھوڑے صحرا میں ٹہلتے تھے ادھر اور اُدھر — شور تھا چاہیئے دریا کے کنارے بستر

ظرف شہزادے لیئے محملوں سے آتے تھے
پانی بچوں کے لیے نہر سے لے جاتے تھے

محو خیموں کی درستی میں جناب عباسؑ — خاص آل عبا پھرتے تھے خاموش اُداس
زلفیں پُر گرد سفر کا تن اقدس میں لباس — دور انصار نہ ہوتے تو کوئی آتا پاس

حُر قریب قمر فاطمہؑ بے شاک پہونچا
ہاتھ کیا جانیئے کیونکر سر نو تک پہونچا

تھام لی حر نے رکاب اُنکے شبّیر کی یکبار — لے گیا چند قدم آپ گئے بے تکرار
نیچی اونچی تھی زمیں اور درخت پُر خار — حُر پکارا ہو یہاں خیمہ شاہ ابرار

اے فلک واہ عجب رنگ ہے اس دنیا کا
خیمہ کانٹوں کی زمیں پر ہو گل زہراؑ کا

سُن لیا غیظ میں عباسؑ وفادار آئے — نعرے کرتے ہوئے تولے ہوئے تلوار آئے
صورت برق رفیق شہ ابرار آئے — خسرو یثرب و بطحا کے نمک خوار آئے

تیغیں کھینچے ہوئے شہزادے بڑھے آتے تھے
ٹھیرو ٹھیرو شہ دیں پیار سے فرماتے تھے

آکے نزدیک جو دیکھا نہیں مطلق پردا مسکراتے ہیں وہ تھامے ہوئے دامانِ قبا
حُر جو کہتا ہے کیسے جاتے ہیں اچھا اچھا قرب حق چاہیے کیا چیز ہے قربِ دریا
ترسیں پانی کو نہ سمجھیں یہی تھا مطلب
غیر مہمان ہیں ہم اس سے ہمیں کیا مطلب

تھے عجب حال میں جانبازِ امامِ حق جو ضبط کی وجہ سے آنکھوں میں بھرے تھے آنسو
دم خفا صورتِ شمشیر کشیدہ ابرو ہاتھ باندھے ہوئے کہتے تھے یہی سب خوش خو
ہیں کفن اب تو قبائیں شہِ ذیشاں ہم کو
دھار ہے تیغ کی ہر تارِ گریباں ہم کو

تھا حبیب ابن مظاہر کو عجب غیظ و قلق آستینوں کو چڑھائے ہوئے تھے تا مرفق
گو کہ پیری تھی مگر تھی گلِ رخسار پہ رونق جیسے ہو جلوہ نما صبح کو خورشیدِ شفق
ضعف کا گھٹ کے بیاں تک کو نہ جھکنے دوں گا
بڑھ کے بیعت نے کہا ہاتھ نہ رکنے دوں گا

حُر سے کہتے تھے کیا ہو گیا اے حُر تجھ کو ہم تو سمجھے تھے وفادار و بہادر تجھ کو
کون ہے شاہ یہ آیا نہ تصور تجھ کو خوفِ حق کا بھی نہیں ہے یہ تکبر تجھ کو
کاٹ اُس ہاتھ سے یہ ہاتھ اگر ڈرتا ہے
اس طرح کی بھی کوئی بے ادبی کرتا ہے

رو کئے تھے انھیں کونین کے سردارِ حسینؑ تھا یہ ارشاد کہ ہے عالمِ اسرارِ حسینؑ
تھام کے بازوئے عباسؑ وفادارِ حسینؑ بھائی کے کان میں کہتے تھے یہ ہر بارِ حسینؑ
مجھ کو معلوم ہے ہرگز نہیں دشمن میرا
تا دمِ مرگ نہ چھوڑے گا یہ دامن میرا

خیمہ استادہ کرو لا کے نہیں میرے غیور — مڑ کے ارشاد کیا حُر سے یہی تھا منظور
اُتریں ناموسِ نبیؐ جا کے کہیں ٹھہر کے دور — ہو کے محجوب کہا حُر نے بہت خوب حضور

تھا حزین و متاسف نہ چلا جاتا تھا
دل مثالِ کفِ افسوس ملا جاتا تھا

نہر سے خیمۂ شاہ دو جہاں اُٹھتا تھا — حشر تھا مچھلیوں میں شورِ فغاں اُٹھتا تھا
گھاٹ سنسان غبارِ آہ کہاں اُٹھتا تھا — غم کی تھی آگ کہ پانی سے دھواں اُٹھتا تھا

خضر بیتے تھے صدا فوجِ ستم آتی ہے
آبرو خاک میں اے نہر ملی جاتی ہے

تھا گزر شامیوں کا دشت میں صحرا صحرا — موجیں فوجوں کی اب نہر تھیں دریا دریا
عربی باجوں کی آواز تھی اشہنا شہنا — سُن کے شہزادیاں گھبراتی تھیں کیا کیا

ذرّے چنگاریاں تھے تیز ہوا چلتی تھی
کثرتِ اہلِ جہنم سے زمیں جلتی تھی

آئی جو قتل کی شب طرفہ بلائیں آئیں — طائرِ ہوش اُڑے ایسی ہوائیں آئیں
چاند زہراؑ کا ہے مہماں یہ صدائیں آئیں — لشکرِ شام کو آئیں تو جفائیں آئیں

کیں نہ مایوسوں نے آہیں کہ شرارے نکلے
چاند افسردہ پریشان ستارے نکلے

رونقِ کعبہ جو تھے اُن کی نہ سمجھے حرمت — بڑھتی جاتی تھی لعینوں کے گنہ کی ظلمت
چرخ پر غم کے اندھیرے کی ہوئی یہ شدت — اس فلک کو نظر آتی تھی نہ اُس کی صورت

حاجیوں کو خمِ محراب حرم ہالا تھا
سنگِ اسود سے بھی مہتاب کا منہ کالا تھا

سایۂ گیسوئے حورانِ جناں وہ شب تھی
سُرمۂ چشم دلیرانِ جہاں وہ شب تھی
کب تھے شبنم کے گہر اشک فشاں وہ شب تھی
صورتِ پیرہنِ ماتمیاں وہ شب تھی

صبح کو سوئے جناں کوچ کی تیاری تھی
رات کیسی پسرِ فاطمہؑ پر بھاری تھی

اپنی قندیلوں سے تھا گنبدِ مینا روشن
شمعوں سے بارگہِ سیدِ والا روشن
رن میں تھے مورچے مہتاب تھی ہر جا روشن
مشعلیں شامیوں نے کیں لبِ دریا روشن

شعلۂ مطبخ دشمن نظر آتے تھے
داغ صحرا کے کلیجے میں پڑے جاتے تھے

تھی عجب حُرِّ وفادار و جری کی صورت
نخلِ غم دل میں عقیقِ شجری کی صورت
یاس منہ پر تھی چراغِ سحری کی صورت
تھی وفا شیشۂ طینت میں پری کی صورت

سُرخ ماتھے سے پسینہ دمِ حسرت ٹپکا
پھول سے بادۂ گلگونِ شجاعت ٹپکا

اُلفتِ شہ نے کیا دفع جو غصہ آیا
غمِ فرقت کے اندھیرے سے جہاں گھبرایا
شادیٔ وصل کی رونق نے اُسے بہلایا
دی شہادت نے صدا سر جو بہت ٹکرایا

سر نہ ہوگا تو شرف کس کو یہ ہاتھ آئے گا
کون پھر زانوئے شاہِ شہدا پائے گا

جس جگہ تھا نہ کوئی رن میں گیا وہ ضیغم
ایک رومال فقط ہاتھ میں آنکھیں پُرنم
بھائی فرزند غلام آئے یہ بولے باہم
کیوں یہاں آپ ٹہلتے ہیں اکیلے اس دم

دی صدا حُر نے قلق دل کو سوا ہوتا ہے
دیکھتے جائیے ہو سامان یہ کیا ہوتا ہے

ڈھونڈتے پھرتے ہیں ناحق یہ پیادے یہ سوار
کون آتا ہے جو چلاتے ہیں غافل ہشیار
بھاگ گئے یہ کہیں ہی سو رہے والے تیار
چاندنی میں ہیں یہ ڈھالوں کا اندھیرا بیکار
تیغیں کھینچے سپہ شام ہٹی جاتی ہے
رات شمشیر نہ آہستہ سے کٹی جاتی ہے

نعرے عباسؑ وفادار جو فرماتے ہیں
شیر گھبرا کے نیستاں سے نکل آتے ہیں
طائر اُڑ کے ادھر آتے ہیں اُدھر جاتے ہیں
ڈر سے دریا کے نگہبان بھی چلاتے ہیں
شعلہ آواز کا تا قصر فلک جاتا ہے
صاعقہ رات کو جنگل میں چمک جاتا ہے

ہے جو یہ لشکر کفار صف آرا کیا ہے
پسر سعد کو ہی ظلم گوارا کیا ہے
نہ ڈرے قہر خدا سے کوئی چارا کیا ہے
خیر اب یہ تو کہو قصد تمہارا کیا ہے
ساتھ دو گے کہ ہے منظور جدائی ہم سے
صاف اس وقت کہا چاہیے بھائی ہم سے

سُن کے حُر سے یہ ہوا گرم سخن وہ ضیغم
ابھی آپس میں یہی ذکر تھا خالق کی قسم
کون آنکھوں سے وہ دیکھے جو سُنے ہو لیا ہم
آپ کیا چھوڑ گئے تھے کہ اسی تشویش میں ہم
اعتقاد آپ سے بھی کچھ ہے زیادہ اپنا
پہلے ارشاد کریں آپ ارادہ اپنا

ہنس کے بھائی سے کہا حُر وفادار نے ہاں
ہم کریں اپنے عقیدے کو ارادے کو بیاں
یہ سمجھ لو کہ تن حُر ہے یہاں روح وہاں
ہو چکے ہم شہ آوارہ وطن کے مہماں
ہم سے ہل گئیں یہ صفیں رہیں دیر ہم پہلے
ہوں گے قربان حسینؑ ابن علیؑ ہم پہلے

بھائی تو گر دیہ سنتے ہی کئی بار پھیرا جھک گیا شکر کے سجدے کو زمیں پر بیٹا
کہہ رہا تھا کہ قبول اور ہو مالک یہ دعا بخشوا دے شہ مظلوم سے بابا کی خطا

واہ کیا رحم گنہگاروں پہ آیا مالک
اپنے بندوں کو جہنم سے بچایا مالک

اُٹھ کے سجدے سے پکارا وہ گل باغ ادب آپ کا عزم ہے بالجزم تو کیا دیر ہے اب
اپنے کاموں میں ہیں مصروف یہاں غافل سب ہے شب عید و شب قدر یہ عاشور کی شب

دیر سے جلد سوئے کعبۂ ایماں چلیے
رات کا وقت ہے تو کل مہ تاباں چلیے

سن کے حر دلاور نے کہا سچ ہے مگر لشکر شام کہے گا یہی اے میرے قمر
ہاں گیا چھپ کے اندھیرے میں اسے دیکھو اُدھر جا نہ سکتا کبھی ہوتی جو ذرا ہم کو خبر

کہہ کے ان سب سے غضنفر کی طرح جائیں گے
صبح کو مہر منور کی طرح جائیں گے

ایک اہانت بڑی مجھ سے ہوئی ہے تقصیر میں نے اٹھوائے ہیں دریا سے خیام شبیر
ہاتھ ہی کاٹو گلا کاٹو منگاؤ شمشیر بولی تقدیر کہ اے حُر نہیں اچھی تدبیر

امتحاں گو کہ ہے کل جنگ میں ہر غازی کا
پہلے میدان ترے ہاتھ ہے جانبازی کا

کام مشاطۂ قسمت کے سنوارے گا خدا نکلے گی لے کے شفق بیاہ کا گلگوں جوڑا
ہو گی سورج کی کرن صاف سنہری سہرا شادیانے کے عوض جنگ کے باجوں کی صدا

روشنی ہو گی شب ہجر جو کٹ جائے گی
بن کے اس بن میں دُلھن صبح وصال آئے گی

جس کے مہماں ہیں شہ جن و بشر یہ شب ہے
صبح جس کی ہے قیامت کی سحر یہ شب ہے
مہلت اس شب کی ملی حفظ قمر یہ شب ہے
جس نے تلواروں کو روکا وہ سپر یہ شب ہے
فرصت اسکندر آفاق نے چاہی اس کی
ظلمت چشمۂ حیواں ہے سیاہی اس کی

خود بتادیں گے شہ یثرب و بطحا رستہ
خضر ہو پاس تو کیونکر نہ ہو سیدھا رستہ
کل پہنچ جائیں گے ہم پا گئے اچھا رستہ
باغ جنت ہے فقط رات بھر کا رستہ
موت کے نام سے ہوتی ہے یہ فرحت ہم کو
آپ کہتے ہیں مبارک ہو شہادت ہم کو

گئے ہنستے ہوئے خیمہ میں نمازی چاروں
دے گئے حکم کہ حاضر رہیں تازی چاروں
سج کے ہتھیار مسلح ہوئے غازی چاروں
کہتے تھے عاشق سلطان حجازی چاروں
جلد ہو صبح لڑیں چل کے ستمگاروں سے
دمبدم خون کی بو آتی ہے تلواروں سے

ذکر شہ ورد زباں دل میں تمنائے سحر
کچھ ہوا جلوہ نما چہرۂ زیبائے سحر
یاد حق میں ہوئے مصروف ثنائے سحر
رخصت لیلیٰ شب آمد سلمائے سحر
نہر آئینہ وہ سبزہ وہ سماں صحرا میں
آخری تھی علی اکبرؑ کی اذاں صحرا میں

صبح بلقیس صبا دشت میں بن کے آئی
آہ لینے کو سلیمان زمن کے آئی
ٹھنڈی ٹھنڈی جو ہوا باغ سے رن کے آئی
جان سی جسم میں ہر غنچہ دہن کے آئی
صبح کے خیمۂ سرور میں نشاں ہر سو تھے
شعلے شمعوں کے سفیدی میں گل شب بو تھے

ہر طرف عکس چمن نوک غضب خاروں میں　　جلوۂ شہپر طاؤس ہے دیواروں میں
عندلیبوں کا نیا رنگ ہے گلزاروں میں　　زمزمے پھول بنے جاتے ہیں منقاروں میں

نرگس باغ عجب جلوہ گری رکھتی ہے
عین آنکھوں میں نسیم سحری رکھتی ہے

جھوم کر نخل صنوبر کہیں سارا ٹوٹا　　باغ سمجھا دل پُر درد ہمارا ٹوٹا
یاسمن کا جو کوئی پھول قضارا ٹوٹا　　بولے مرغان چمن صبح کا تارا ٹوٹا

خار و خس مورچے گویا سپہ ظالم کے
تازے گلدستے جوانان بنی ہاشم کے

ڈر ہے مجروحوں کو جراح خزاں ہے سفاک　　سرخ پھولوں کو ملی ہے شہدا کی پوشاک
کون زخمی نہیں ڈالے ہیں عنب کے صد چاک　　خوں مسلوں سے ٹپکتا ہے جو ہے جانی نمناک

سبز پتے نظر آتے نہیں انگوروں پر
پھائے ہیں مرہم زنگار کے ناسوروں پر

ڈالیاں خشک ہیں بے برگ ہیں اکثر ڈالے　　برچھیاں آئیں نظر سیکڑوں دیکھے بھالے
عکس گل ہے کہ لبالب ہیں لہو سے تھالے　　طرفہ جاؤش درختوں کی بچانے والے

غنچے چٹکے تو یہ باشندۂ گلشن بولے
ہول ہر اروں تہ شمشیر جو یوں رن بولے

اُڑتے پھرتے ہیں جو مرغان چمن کے شہپر　　خود بخود چلتے ہیں گلشن کی ہوا پر خنجر
خم ہیں مانند کماں خوف سے ہر بار شجر　　طور آغاز وغا کے ہیں ادھر اور اُدھر

گوشے گوشے سے نکلتی ہے صدا تیروں کی
ہر طرف باغ میں جھنکار ہے شمشیروں کی

یہاں ساکن ایوان زبرجد سارے
چشم پر آب مسافر ہیں لعینہ تارے
سفر خلد پہ آمادہ خدا کے پیارے
گوہر نور ضیا مہر سحر نے وارے

ہیں نہ وہ دولھا کہ ند احسن چمن چہروں پر
بدلے سہروں کے ہے سورج کی کرن چہروں پر

دھوپ ان پر، ہی جو اونچے ہیں رخت صحرا
جلوۂ خیمۂ زنگاری شاہ دوسرا
برچھیاں، بیرقیں، گرمی کی سحر سرد ہوا
شور ہی چار طرف قتل ہو سید کا روا

پائیں گے خلعت و انعام ستانے والے
مسکراتے ہیں ادھر سے ادھر آنے والے

کے ہزار اور تھے کے لاکھ بھلا کیا معلوم
کوئی مردوں میں ادھر کے نہ رہا کیا معلوم
متفق بھی نہیں قول علما کیا معلوم
کتنے پیدل تھے پے جور و جفا کیا معلوم

کچھ سواروں کی نہ تعداد کسی سے پوچھو
تن پامال حسینؑ ابن علیؑ سے پوچھو

تھی وہاں فکر کریں قتل تو پائیں دولت،
اس طرف تھی بہ خوشی قتل ہوں دیکھیں جنت
ان میں آثار غضب ان میں نشان رحمت
خار ان کو یہ شگفتہ گل تر کی صورت

پھل انہیں اپنی ریاضت کے ملے جاتے ہیں
پھول گلزار شہادت کے کھلے جاتے ہیں

چاہنے والے تھے اللہ کے ماشاءاللہ
طیب و طاہر و پاکیزہ تھے سبحان اللہ
جب بڑھے جنگ کو کہتے ہوئے انا للہ
ہر قدم پر تھی شہادت کی محمد اللہ

تھے کفن پوش نہ تھے صاف وہ سفاکوں سے
نفعہ دربار خدا آئینہ پوشاکوں سے

دولھا مشہور ہوا قاسمِ ذیجاہ کا نام! زیورِ حُسن بنے جنگ کے اسباب تمام

سپر و مغفر و چار آئینہ جوشن صمصام جو محقق ہیں انھیں صاف ہے شادی میں کلام

رشکِ نوشاہ فقط اہلِ ادب کہتے ہیں!

حُسن کی وجہ سے دولھا انھیں سب کہتے ہیں

سامنے آئینہ شبیر اکبر چمکا صورتِ شمس کا مثل خیمۂ شہ پر چمکا

کہیں جوشن کوئی کلگی کوئی مغفر چمکا کہیں تیغیں کہیں نیزہ کہیں خنجر چمکا

ہاشمی کہہ رہے تھے ہوتی ہے فرحت ہم کو

دل سے بھاتے ہیں یہ اندازِ شہادت ہم کو

جا کے حضرت نے محل میں جو طلب کی پوشاک آئی شاہانہ شہنشاہ عرب کی پوشاک

عید کو بھیجی تھی بھیجی ہوئی رب کی پوشاک زیبِ تن شاہ نے عاشور کو جب کی پوشاک

کی مزین کمر اسباب وغا منگوایا

باندھا پٹکا علمِ فوجِ خدا منگوایا

اس طرح سامنے تھے حضرتِ زینب کے پسر تیغے کمروں میں پیادہ دونوں کے سروں پہ مغفر

آستینوں کو چڑھائے تھے علم پر تھی نظر ہاتھ خالی تھے مگر بہرِ نشاں دست نگر

شاہ جعفر کی طرح خلد میں جانے کے لیے

کوئی طیار ہو جیسے کچھ اٹھانے کے لیے

شہ نے زینب سے کہا آپ ادھر تو آئیں آپ کا ہے یہ علم آپ اسے لے جائیں

جس کو چاہیں اُسے از شفقت عطا فرمائیں ان دلیروں کے دل افسردہ نہ ہونے پائیں

ہے الم سب کو ہمارا ہیں پیارے سب ہیں

ہم سمجھتے ہیں علمدار ہمارے سب ہیں

تھا اشاروں میں یہ بیٹوں سے بیانِ زینبؑ — تم کرو فخر کہ اے مرتبہ دانِ زینبؑ
بہرِ سیدؑ ذی جاہ بجانِ زینبؑ — ہیں خواہاں علم نام و نشانِ زینبؑ
میرے فرزند ہو میں کشتۂ غم دوں تم کو
تمھیں انصاف کرو اب یہ علم دوں تم کو

یوں ہوئے عرض رسا مہر جبیں ماہ لقا — اختیار آپ کو حضرتؑ نے علم دے کے دیا
کون تھے ہم جو لحاظ اس قدر آقا نے کیا — ہم نے پایا یہ علم ہم کو ملا ہم نے لیا
کوئی کچھ فکر نہ ہو جز فکرِ شہادت رکھیے
بولیں زینبؑ تمھیں اللہ سلامت رکھے

شکر صد شکر سمجھدار ہو سمجھے مطلب — گو وراثت میں پہنچتا ہی تمھیں یہ منصب
پر ابوالفضل قمر ہے ابھی تم ہو کوکب — کہتے ہیں ماہ بنی ہاشم اسے اہلِ عرب
ہے بجا وہ جو کہے جعفرؑ طیار رہوں میں
لیکن عباسؑ یہ کہتا ہے علمدار رہوں میں

شک نہیں شانۂ عباسؑ ہیں شایانِ علم — ہے علم اس کا نگہبان وہ نگہبانِ علم
لے کے نکلے گا محل سے مہر تابانِ علم — تھامنا تم بھی ذرا گوشۂ دامانِ علم
بل نہ ہو ابروؤں پر ہنستے ہوئے جاؤ گے
پاس میرے انھیں باہر سے بلا لاؤ گے

گئے باہر یہی کہتے ہوئے وہ رشکِ قمر — چلیے ماموں کہ بلاتی ہیں جنابِ مادر
بولے وہ خیر تو ہے بولے یہ دونوں صفدر — خیر ہے آئیے یاقوت کے پائے شہیر
ہاتھ پکڑے ہوئے اُن دونوں کو لائے عباسؑ
دخترِ فاطمہؑ کے سامنے آئے عباسؑ

دی صدا حضرت زینبؑ نے مثال مریمؑ — لو یہ ٹپکا یہ پھریرا، ہے یہ پرچم یہ علم
بہر تسلیم جھکے صورت محراب حرم — مڑ کے پھر عونؑ و محمدؑ سے کہا یہ باہم
مرتبہ پائے علمدار کا پائیں ہم تم
آؤ تو مل کے یہیں جی کے اٹھائیں ہم تم

ناگہاں رن کو چلے بادشہ عرش پناہ — شاہزادے تھے سبھی شہ دیں کے ہمراہ
پیچھے پیچھے تھے شہنشاہ کے گویا نوشاہ — جلد غازی نے سنوارا علم فوج الٰہ
صف شکن حمزہؑ و جعفرؑ کا حشم لے کے چلا
آگے وہ شیر زبردست علم لے کے چلا

تھا سماں نور کا پھیلی ہوئی پھولوں کی مہک — لال زہراؑ کے قمر خیمہ زمرد کا فلک
دمبدم آنکھوں میں پنجے کے جھمکنے سے جھپک — دور ہوا سے ضیا شامیوں کے لشکر تک
برق سی کوند گئی ابر کا ٹکڑا اٹھا!
پئے تعظیم علم ڈیوڑھی کا پردا اٹھا

بات پردے کی نہیں حق کو خوش آیا پردا — تھا اگر پیرہن خضر کا سایا پردا
کیا در عترت اطہار نے پایا پردا — خادمانِ در دولت نے اٹھایا پردا
ساتھ سب سیّد مکّی کے پیارے نکلے
پردۂ سپہر تھا عرش کے تارے نکلے

بڑھ کے ڈیوڑھی سے نشان نبی محمود چمکا — ہو کے اونچا علم شاہ رسالت سب کا
مرثیے زندہ ہوئے حمزہ قیامت چمکا — دیکھو تب ہی آئینہ روئے شہادت چمکا
آج تک مہر جہاں تاب کو یاد آتا ہے
نیزہ ادھر دیکھ کے ہوئے شرم سے تھراتا ہے

جا کے لشکر میں یہ جاسوس پکارے یکبار
ہو چکا لشکر اسلام وغا پر تیار
میسرے میں تو دیا ابن مظاہر کو قرار
میمنے میں ہوئے مامور زہیر دیندار
علی اکبر بھی شاہ کے سالار ہوئے
دھوم ہے حضرت عباسؑ علمدار ہوئے

پسر سعد بڑھا آگے لیے تیر و کماں
رُخ کیا اس نے سوئے خیمہ سلطان زماں
دیکھتے ہی یہ ہوا حُر کا عجب حال یہاں
جا کے ناموس میں زوجہ سے کہا ہیں مہماں
نہیں مُہلت سوئے گُلزار ارم جاتے ہیں
شہ بیکس کی مدد کے لیے ہم جاتے ہیں

قصد مرنے کا ہے آئے ہیں صیبت کے لیے
دین چھوڑا نہیں جاتا کبھی دولت کیلئے
ہیں جو خاصان خدا ہیں وہ مصیبت کیلئے
سب کے ناموس ہیں سادات کی خدمت کیلئے
پھٹ کے گرتے ہیں فلک حشر بپا ہوتا ہے
عصر تک آج یہاں دیکھیے کیا ہوتا ہے

دور کچھ گردش گردون ستمگر سے نہیں
تم سے شہزادیوں سے ہو جو ملاقات کہیں
ہوں اگر خاک نشیں جانیو تم عرش نشین
خادم زینبؑ و کلثومؑ ہیں جبرئیل امیں
آپ مالک ہیں میں لونڈی ہوں یہی کہنا تم
سامنے باندھے ہوئے ہاتھ کھڑی رہنا تم

ہائے کس منھ سے کہوں بس ہے مجھے حیرانی
بھوکے پیاسے رہے معصوم رہے مہمانی
سامنے لے جا کے بہ تعظیم سے کھانا پانی
کہیو اس حال میں یہ عرض ہے بڑی نادانی
نوش فرمائیے قربان ہو لانے والی
آپ ہیں میوۂ فردوس کی کھانے والی

ہوں وہ جس حال میں اُس حال سے تم بھی جانا — گر اندھیرا ہو چراغ آپ جلا کے لانا
بال منھ پر جو پڑے ہوں تو نہ تم سرکانا — تم سے بہلیں جو سکینہ تو ٹھہر کے آنا
پیارے دخترِ سرور کی بلائیں لینا
ہوں جو زندہ علی اصغرؑ کی بلائیں لینا

ہے یقین خوب نہ راحت کبھی پانے دینگے — کوئی تکیہ بھی نہ رکھنے کو سرہانے دینگے
لے کے پوشاک ستمگار نہ جانے دیں گے — بے رداؤں کو ردائیں نہ اُڑھانے دینگے
خیر جو تم سے یتیموں کا مدارا ہوگا
ہم پر احسان پس مرگ تمہارا ہوگا

کوئی بیمار جو روتے ہوں جھکائے گردن — جانیو ان کو امام دو جہاں فخر زمن
پوچھیو گیسوئے پُر گرد و جبین روشن — کھول دینا کوئی دم بازوئے اقدس کی رسن
چھپ کے سر پیٹیو گہہ سامنے آکے رونا
طوق و زنجیر کو آنکھوں سے لگاکے رونا

ذکر میرا کوئی فرمائیں اگر میرے امام — کہیو تھا آپ کا اور آپکے بابا کا غلام
کیا حقیقت تھی ملا آپکے صدقے سے یہ نام — سب کو تم کیجیو چلتے ہوئے جھک جھک کے سلام
عرض کرنا کہ بڑا قہر ہے شرماتی ہوں
میری شہزادیو! مجبور رہوں میں جاتی ہوں

تم یہ کیا کہتے ہو بولی جو زوجہ ہو کے حیران — حُر پکارا کہ ہیں شہ مخبر صادق کی جان
جمع فرما کے وفاداروں کو اللہ کی شان — سب نہ ارشاد کیا آج ہیں جب کے سامان
کیا کہیں دیر ہوئی جاتی ہے گھبراتے ہیں
یہی کہنے کو لیے آئے تھے بس جاتے ہیں

کہہ کے یہ خیمہ سے باہر وہ نمازی آیا مستعد فدیۂ سلطانِ حجازی آیا!
برق کی چال سے ضرغام کا تازی آیا سامنے جو پسرِ سعد کے غازی آیا!
آستیں الٹے ہوئے دیکھ کے جاہل کانپا
ہاتھ سے تیر و کماں چھوٹ گئی دل کانپا

شمر ذی الجوشن و خولی و سنان ابن انس اُس کو گھیرے ہوئے تھے مثل ہوا شکل ہوس
سب یہ چلائے ادب چاہیئے سرکار فرس دی صدا حر وفادار نے خاموش ہو بس
دل سے ہمراہ رکابِ شہ جمہور ہوں میں
پاس ظاہر میں ہوں باطن میں مگر دور ہوں میں

آج گلزار جناں کا ہے نظارا منظور چشم بد دور نہیں ہے مجھے پردا منظور
پوچھتا ہوں فقط اتنا کہ ہے اب کیا منظور منھ سے کہدے کہ ہے قتل شہ والا منظور
ہوں جدا فوج سے اقرار شقاوت ہو جائے
حجت حق سے ملوں ختم یہ حجت ہو جائے

ہٹ کے اُس جا سے کہا سعد کے بیٹے نے کلام کچھ نہ کچھ حُر کو دیا صاحبِ پیمبر نے پیام
اسم اعظم کا ہے وعدہ کہ ملا اور انعام تیغ اگلی ہوئی نعرے میں مثال ضرغام
برق ہے مخبر صادق سے یہ کچھ لایا ہے
پڑھ کے تسبیح کوئی صورت رعد آیا ہے

جس میں حاکم کی خوشی ہو وہ مناسب ہے کمال گھر لٹے قتل ہو یا ہو کوئی سید پامال
نوکری میں نہیں اچھا یہ ترحم یہ خیال ہو کے مغموم کہا حُر نے بڑھاتا ہے ملال
میری جانب سے یہ لکھ بھیجیو حاکم کے لیے
کفر لازم ہے مگر تیرے ملازم کے لیے

نوکری فوج میں قطعاً ہے شریعت کے خلاف   کہیں شداد کے فرعون کے نوکر ہی صاف
ہم سے یہ کام نہ ہوں گے کبھی تقصیر معاف   حُر غنی تھا یہی فرمائیں گے اہل انصاف

مال مشکوک جو تھا صرف میں لانا چھوڑا
گھر کا کافر کے مسلمان نے کھانا چھوڑا

ہو کے آزردہ جب اُٹھے تو نہ دم بھر بیٹھے   جان سے ہاتھ جو دھوئے لب کوثر بیٹھے
دولت ایمان کی رزاق نے دی گھر بیٹھے   سلسلہ توڑ کے دل سے ورثہ پہ بیٹھے

نوکری کیا زر تنخواہ بھی سب چھوڑا ہے
رشتۂ اُلفت دینار و درم توڑا ہے

لے سوئے بادشہ تشنہ دہن جاتے ہیں   کہہ کے شیدائے شہ قلعہ شکن جاتے ہیں
ہم ہیں طاؤس پئے سیر چمن جاتے ہیں   شیر حق پہ جو بگڑتے ہیں تو بن جاتے ہیں

تیغیں کھینچے ہوئے تولے ہوئے بھالے آئیں
روک لیں آ کے ہمیں روکنے والے آئیں

بادپا اسپ ہوا ہو گئے صرصر کی طرح   زلزلہ دشت میں تھا عرصۂ محشر کی طرح
سارے لشکر میں ہوا جوش سمندر کی طرح   حُر تھے اُس قہر کے دریا میں شناور کی طرح

کبھی جھکتے تھے ادھر گاہ اُدھر جھکتے تھے
نہ کہیں روکنے والوں کے قدم رُکتے تھے

پہلوانوں نے کیے گرز گراں بار بلند   سوئے حُر دیکھتے تھے ہو کے کماندار بلند
ڈھالیں تلواریں سنانیں ہوئیں یکبار بلند   یہ صدائیں تھیں میان صف کفار بلند

پیدلو ایسے بہادر کو نہ جانے دینا
اے سواران عرب حُر کو نہ جانے دینا

کشمکش فوج میں تھی دیکھ رہے تھے آقا — آگئی گوش منور میں اُدھر سے یہ صدا
ہو کے بیتاب کہا لاؤ ہمارا گھوڑا — حُر سے تلوار چلے دور سے دیکھیں یہ کیا
کون آنے نہیں دیتا اُسے ہم جانتے ہیں
اپنے مہمان کو خود جا کے لیے آتے ہیں

مُنھ اُدھر جانے کو آمادہ علیؑ کی شوکت — وصل کا شوق اِدھر آنے کی حر کو حسرت
بیچ میں فوج عدو صورت شام فرقت — بڑھ کے میداں میں پکارے رفقائے حضرت
حُر نہ گھبرائیو بے شبہ و شک آتے ہیں
تیرے لینے کو شہ جن و ملک آتے ہیں

سامنے لشکر کیں سے حُر ذی شاں نکلا — شیر بیشہ یم شہر سے دم طوفاں نکلا
ہاتھ ملتے رہے سب ارتم و ستاں نکلا — ہٹ گئے سنگ سیہ لعل بدخشاں نکلا
دی صدا فدیۂ سلطان انام آپہونچا
کہدو آقا سے ٹھہرئیے کہ غلام آپہونچا

پیدل اسوار سبھوں کو تہ و بالا دیکھا — سرنگوں یکقلم اعدا کا رسالا دیکھا
چاند کے گرد سے ہٹتے ہوئے ہالا دیکھا — جو اندھیرے میں نہاں تھا وہ اجالا دیکھا
شور تھا یا دہی ناموس تہوّر کس کو
صورت حُر بہادر ہے تجسُّر کس کو

شان محبوب خدا اصل میں تھی شان حسینؑ — بہر تسلیم جھکا آتے ہی مہمان حسینؑ
تھا عجب جوش میں اُس وقت ثناخوان حسینؑ — کہہ رہا تھا یہی تھامے ہوئے دامان حسینؑ
مرحبا سیّد مکّی مدنی و عربی!
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

مل گئے آنکھیں جو ہوا اشک فشاں مثلِ سحاب بھر گئی موتیوں سے شاہ کے گھوڑے کی رکاب
یہی فرماتے رہے تھے بادشہ خوش القاب تا دمِ مرگ کہیں ملتے نہیں ایسے احباب
بیقرار اپنی محبت میں جو پاتے تھے حسینؑ
دمبدم سینۂ اطہر سے لگاتے تھے حسینؑ

لپٹے قدموں سے جو فرزند و برادر اک بار پشت پر اُس کے دھرا ہاتھ کیا اس کو پیار
دور تھا پاس ادب سے جو غلام دیندار اس سے ارشاد کیا آ ادھر اے نیک شعار
یہ تکلف ہے عبث بندۂ یزداں تو ہے
ہم سے بیکس کا مددگار ہی مہماں تو ہے

غل ہوا خیمۂ مولا میں دلاور آیا ہوش سجاد کو یہ سن کے جو دم بھر آیا
تھے یہی ذکر کہ شیدائے پیمبر آیا بادشاہ وطن آوارہ کا یاور آیا
روکتے ہیں شہ مظلوم وہ گھبراتا ہے
ابھی آیا ابھی مرنے کے لیے جاتا ہے

اُٹھ کے بستر سے چلے آنکھوں میں آئے تیور پہنچے گرتے ہوئے در پہ تو ہوئی حُر کو خبر
ہو کے بیتاب یہ کہتا ہوا دوڑا صفدر آپ خادم کے لیے کیوں نکل آئے باہر
پاس آیا تو گلے ملتے ہی خاموش ہوئے
مُنہ دھرا شانے پہ اُس شیر کے بیہوش ہوئے

ہو کے ہشیار کہا میری نقاہت دیکھی ہو گئی ہو گی ذرہ گرم حرارت دیکھی
میں تو کیا قبلۂ کونین کی صورت دیکھی ہیں عجب حال میں پر ہمت و غیرت دیکھی
مرحبا واہ بڑا نام کیا ہے تو نے
حق تو یہ ہے کہ عجب کام کیا ہے تو نے

سب شہیدوں کو بھی تم کو بھی مبارک ہو جناں
ہم سے ہوگی نہ ملاقات ابھی ہم ہیں یہاں
نہیں معلوم کہاں سے ہمیں جانا ہو کہاں
کبھی دربار میں ٹھہریں کبھی دیکھیں زنداں

کچھ خبر ہے رسنیں کس کے لیے آئی ہیں
بیڑیاں شمر نے کس کے لیے بنوائی ہیں

مثل خورشید جھکے سوئے زمیں تھرا کے
حُر نے تھاما سر اقدس یہ کہا چلا کے
کوئی شہزادے کو لے جاؤ لٹا دو جا کے
لے گئیں جلد پسِ پردہ خواصیں آ کے

پھر ہٹا ڈیوڑھی کا پردا ید بیضا دیکھا
ہاتھ پر جلوہ نما چاند کا ٹکڑا دیکھا

آئی پردے کے اُدھر سے کسی عورت کی صدا
جاں بلب ہے اسے دیکھو تو شہ ہر دوسرا
اپنے مہمان کو یہ حال دکھاؤ آقا
لے گئے بیش حسینؑ اکبر خورشید لقا

بند آنکھیں کئے بیہوش جو پایا اُن کو
زینِ رہوار پہ آقا نے لٹایا ان کو

تھا یہ چہرے سے عیاں ہے کوئی دم کے مہماں
خشک لب خشک دہن خشک گلا خشک زباں
طوق تعویذ کڑے ہنسلیاں ہیکل قرآں
سب یہ تھے گرم شلوکے سے بھی اٹھتا تھا دھواں

پیکر اصغرؑ معصوم جو ملبوس میں تھا
شعلۂ نور خدا حُسن کی فانوس میں تھا

پیار سے حُر نے کہا کان میں جھک کے یہ سخن
میرے آغوش میں آجایئے اے تشنہ دہن
ہمکے پھیلا دیا ہاتھوں کو ہلائی گردن
لپٹے سینہ سے گئے گود میں گو تھا بچپن

شہ نے ارشاد کیا ہل گئے کیونکر تم سے
تم ہو مہمان گلے ملتے ہیں اصغرؑ تم سے

پیٹ کے سر کو پکارا وہ بہادر فریاد ایسے بے شیر کو پانی نہیں دیتے جلاد
جا کے مقتل میں تصدق ہوں کہیں ابن ناشاد کرب اصغرؑ سے عیاں کھائے ہیں تیر بیداد

ہچکیاں پیاس کی شدت سے لیے جاتے تھے
ہم ہیں بے آب کئی دن سے یہ بتلاتے تھے

حُر سے فرماتے تھے جوش میں آ کے شبیرؑ رن سے ان سب کو اٹھا لائے گا جا کے شبیرؑ
عصر کو جائے گا پاس اپنے خدا کے شبیرؑ ذبح ہو جائے گا قبر ان کی بنا کے شبیرؑ

تیر سے پہلے گلا تیغ سے پھر کاٹیں گے
کھود کر قبر کو معصوم کا سر کاٹیں گے

خیمۂ آل نبیؐ آگ سے جلتے ہوں گے گھر سے ناموس ید اللہ نکلتے ہوں گے
تیغیں کھینچے ہوئے جلاد ٹہلتے ہوں گے دل اسیروں کے یتیموں کے دہلتے ہوں گے

ہوگا پامال اُسی دشت میں سارا لاشا
پائے گا تیروں سے تابوت ہمارا لاشا

دفن کر دیں گے ہمیں اہل قُرا اے مہماں سب شہید ایک جگہ ہوں گے علمدار جہاں
کھینچ لے جائے گی لاشا کسی فرزند کا ماں حشر تک ہوں گے یہ افسانۂ پُر درد بیاں

میرے زائر ترے روضے میں ضرور آئیں گے
مرثیے آج کی باتوں کے پڑھے جائیں گے

جناب میر مہر علیصاحب
اُنس رحمۃاللہ

۷۸۶

حیاتِ اُنس

ریاضتیں ہوئیں برباد مرنے والوں کی!
نہ قدر کی کبھی دنیا نے باکمالوں کی!

کمال اور انتہائے کمال خوش نصیب ہے وہ ہستی جسے خدا ایسے جوہر عطا کرے۔ مشہور ہے کہ صاحبان کمال کی کماحقہ قدر و منزلت آج تک دنیا نے نہیں کی۔ سچ ہے اور بالکل سچ ہے ہر فن اور ہر علم میں صاحبان کمال گزر گئے اور موجود بھی ہیں بہت سے اہل کمال اپنا کمال ساتھ لے گئے۔ بہت سے صاحبان کمال اپنے کمال کا ایسا نمونہ دنیا میں چھوڑ گئے جسے اہل دنیا قیامت تک محفوظ رکھنے کے لیے مجبور ہیں۔ لکھنؤ کے صاحب کمال خاندانوں میں ایک خاندان خاندان انیس بھی ہے جس کی ہر ہر فرد نے ایسے کمالات کے جوہر دکھلائے اور دنیا میں چھوڑے کہ دنیا انگشت بدنداں نظر آ رہی ہے۔ خاندان انیس کی ایک باکمال فرد یعنی انیس کے منجھلے بھائی حضرت میر مہر علی صاحب انس بھی ہیں جن کے بکثرت مراثی و سلام و رباعیات آئینہ کمال ہیں۔

زور کلام۔ مصرعوں کی برجستگی۔ تسلسل کلام۔ بلندیٔ تخیل۔ ندرت محاکات۔ پاکیزگیٔ زبان، لطف بندش تمام چیزیں مصنف کے کمال کی آئینہ ہیں۔ حضرت انیس کے انتقال کے بہت عرصے کے بعد آپ کا انتقال ۱۳۰۰ھ میں آپ کے مسکونہ مکان واقع باورچی ٹولہ میں ہوا اور جناب حکیم مہدی صاحب کے مقبرے واقع نہرو میں دفن ہوئے۔

تین صاحبزادے دنیا میں چھوڑے (۱) جناب میر ہادی صاحب۔ وحید مرحوم (۲) جناب نقی صاحب

(۳) جناب تقی صاحب۔

میر وحید صاحب مرحوم دنیا سے لاولد گئے۔

جناب تقی صاحب کے صاحبزادے جناب محمد عابد صاحب ان کے صاحبزادے جناب سلطان صاحب فرید جو ماشاء اللہ بقید حیات ہیں اور بزرگوں کے کمال کا نمونہ ہیں۔

حضرت مونس رحمۃ اللہ مصائب بہت خوب پڑھتے تھے۔ میر انیس مرحوم فرماتے تھے کہ میں مونس سے بہتر میں بھی نہیں پڑھ سکتا۔

حقیقتاً اس خاندان میں جہاں بہتر سے بہتر خوش گو گزرے ہیں وہاں بحیثیت خواندگی بھی اپنی مثال آپ تھے۔ میر مونس کی خوش نصیبی کی ایک واضح دلیل میر وحید مرحوم تھے۔

خدا نے ایسا خوش گو فرزند عنایت فرمایا تھا کہ جس کا سکہ آج تک دنیا کے دل پر بیٹھا ہوا ہے

بعض اہل فہم سے کہتے سنا گیا ہے کہ اگر وحید زندہ رہتے تو دوسرے انیس ہوتے۔ مگر افسوس کہ موت جلدی آگئی خدا دونوں کو غریق رحمت فرمائے۔

اطلاع

یہ حالات جناب ہادی صاحب لائق مدظلہ سے معلوم ہوسکے۔ تفصیل کے لیے صدر انجمن محافظ اردو حضرت مہذب بیماری کی حالت میں تشریف لے گئے۔ حضرت فرید مدظلہ سے ملاقات ہوئی حاضری کا سبب عرض کیا گیا۔ بجائے سوانح حیات یا مزید معلومات کے جناب موصوف نے صرف یہ جواب مرحمت فرمایا کہ میں اس وقت (یعنی جب حضرت انیس کا انتقال ہوا ہے) انا کی گود میں تھا۔ اثنا گفتگو میں تین بار یہی فرمایا۔ مجبوراً مختصر حالات پیش کش ناظرین کئے جاتے ہیں۔

(ادارہ)

۴۸۶

در حال قمر بنی ہاشم جناب عباس علیہ السلام

(بند ۹۸)

برہم ہزبر شیر خدا آج رن میں ہے　　ظلِ شکست لشکر پیماں شکن میں ہے
رعشہ تمام پیل تنوں کے بدن میں ہے　　تیغوں میں دم نہ جان کسی تیغ زن میں ہے
جرّار سر کے جاتے ہیں سب بے لڑے ہوئے
فولاد پوش کانپ رہے ہیں کھڑے ہوئے

غل ہے کہ حق کا قہر ہے جرّار کی وغا　　اس کی وغا ہے حیدر کرّار کی وغا
آفت ہے بازوئے شہ ابرار کی وغا　　ادبار کا نشاں ہے علمدار کی وغا
بجلی ہے تیغ ابن امیر عرب نہیں
لگ جائے بن میں آگ تو اس کا عجب نہیں

نعرہ ادھر یہ ہے کہ ہے کیا دیر جنگ میں　　ہوں گے یہ سب پرے زبر و زیر جنگ میں
حملے کریں جو کھینچ کے شمشیر جنگ میں　　تم کیا مقابلہ نہ کرے شیر جنگ میں
لشکر میں سرکشوں کے جگر ڈر سے آب ہوں
نعرے مرے سنیں تو جگر آب آب ہوں

اس وقت ابن سعد لعیں ہے کہاں بڑھے غیرت دلائے جمع ہو لشکر نشاں بڑھے
کچھ دل بڑھائے وہ کہ سپاہ گراں بڑھے روباہ منہ پہ آئیں تو شیر ژیاں بڑھے
دیکھے شکار ضیغم شیر الٰہ کا
لطف آج رزم گاہ میں ہو صید گاہ کا

یہ سن کے سنگ دل کو ہوا سخت اضطرار شمر شقی سے کہنے لگا ہو کے بے قرار
کیا پر جگر ہے بازوئے شبیرؑ نامدار اللہ رے عزم واہ ری ہمت زہے وفا
جانباز و سر فروش و دلیر ایسے ہوتے ہیں
ہیبت پکارتی ہے کہ شیر ایسے ہوتے ہیں

تھا یوں تو فوج شام میں ایک ایک منچلا سب چپ ہیں اب کسی کا نہ کچھ بانکپن چلا
ضیغم کو روکنے نہ کوئی پیل تن چلا لے دیکھ سوئے نہر وہ لشکر شکن چلا
برسوں کے نام ناموروں نے ڈبوئے ہیں
یہ خوف ہے کہ جان سے سب ہاتھ دھوئے ہیں

بولا وہ اے امیر نہ کر تو کلام یاس جائیں گے اور آئے ہوئے فوج کے حواس
بے مثل ہیں کھڑے ہیں یہ سب پہلواں جو پاس ان کو مقابلہ میں نہ ہو دبدبے ہراس
ایک اک دلیر شیر دزندہ کو ٹوک لے
تو جس کو حکم دے وہ ابھی بڑھ کے روک لے

اک پہلواں تھا سب میں نمودار و نامدار قتال و کوہ پیکر و خونخوار و سر گزار
یکتا رسالہ دار تھا بے مثل شہسوار ظالم کو تھا ہزار سواروں پہ اختیار
بگڑا ہراس دیکھ کے وہ ابن سعد کا
نعرہ کیا کہ ہلنے لگا قلب رعد کا

بڑھ کر کہا کہ ہم کو اگر حکم ہو تو جائیں
دریا کا گھاٹ چھین لیں سر کر کے جنگ آئیں
سر لائیں یا ہنر کو جیتا پکڑ کے لائیں
اور اس میں فرق ہو تو یہ صورت نہ پھر دکھائیں
جرار آنے پائے جو نزدیک گھاٹ کے
مرجائیں آج اپنا گلا آپ کاٹ کے

بشاش ہو کے کہنے لگا دشمن امام
ایسا ہی تو جری ہے کچھ اس میں نہیں کلام
ہاں جلد باگ اٹھا کہ نہیں دیر کا مقام
اپنا رسالہ ساتھ لے کر جا کے اہتمام
غرق عرق حجاب سے دریا کی فوج ہو
سقے کا خوں بہا کہ ترا اوج موج ہو

لہرایا اور بحر ضلالت کا وہ نہنگ
نجرا کیا فرس کو بڑھایا بصد امنگ
سفاک نے جو مڑ کے دیا حکم بے درنگ
پیچھے چلا رسالہ جنگی برائے جنگ
تیغیں ہزار دل کھنچ گئیں طوفاں عیاں ہوا
دریا کی سمت قہر کا دریا رواں ہوا

جوش غضب میں گھاٹ تک آیا جو بے ادب
دریا کی فوج کو یہ صدا دی لعیں نے تب
تم سے نہ رک سکے گا ہزبر شہ عرب
دہشت سے جاں بلب ہو کنارے ہو سب کے سب
میداں میں ٹوکتے ہیں بہادر دلیر کو
یہ لوگ مار لیں گے ترائی میں شیر کو

پیچھے ہٹی یہ سن کے جو وہ فوج ایک بار
مصروف انتظام ہوا بڑھ کے نابکار
جب بندھ چکی قطار کے پیچھے ہر اک قطار
چن چن کے آگے کر دیئے چیدہ تھے جو سوار
خونریز کسی سے زم کسی کے کڑا ہوا
سمجھا کے سب کو آپ الگ جا کھڑا ہوا

یاں سے یہ نعرہ زن ہوئے عباسؑ ارجمند کیوں بند و بست ہو چکا جولاں کریں سمند؟
سنتے ہی یہ صفوں میں جو نیزے ہوئے بلند غصہ سے کانپنے لگا صفدر کا بند بند
چہرہ ہوا جو سُرخ بل ابرو میں پڑ گئے
غل پڑ گیا وہ شیر کے تیور بگڑ گئے

آیا جلال فوج پہ ادبار آ گیا گویا کہ قہر حضرت قہار آ گیا
واں گھاٹ پر جو ابر دھواں دھار آ گیا بجلی سی تیغ کھینچ کے جرار آ گیا
گھوڑے نے دم لیا نہ کہیں اونچ نیچ میں
اُترا ترارہ بھرتے ہی لشکر کے بیچ میں

اُٹھا جو ابر تیغ تو سر پہ چھا گئی گھٹا بدلی ہوا سپاہ کا بادل اُدھر پھٹا
خوف اس قدر بڑھا کہ تنوں کا لہو گھٹا ہلچل پڑی کہ خوف سے دریا بھی کچھ ہٹا
نعروں سے رن کانپ گیا آسمان پر
بجلی تڑپ کے گرنے لگی ہر جوان پر

برسی جو تیغ حضرت عباسؑ نامور اولوں کی طرح گرنے لگے خود سروں کے سر
طوفاں وہ تھا کہ آب ہوئے جاتے تھے جگر بوچھار پڑ رہی تھی لہو کی اِدھر اُدھر
اک شور تھا بچائے خدا اس لڑائی سے
دریا پہ خوں برستا ہی تھا گو ترائی سے

اُس کو تری کو مشک کے بھرنے کی تھی جو چاہ تھا غرق بحرِ حرب علمدار عرش جاہ
وہ جوش آب تیغ کہ اللہ کی پناہ کشتی ہر ایک جسم کی طوفاں میں تھی تباہ
کم ظرف ہاتھ دھوئے ہوئے تھے حیات سے
دریائے خوں کا پاٹ بڑھا تھا فرات سے

تر دستیاں دکھاتی تھی ہر صف میں آ کے تیغ
پھرتی تھی دم میں خون کے دریا بہا کے تیغ
کرتی تھی قتل موت کے گھاٹ ان کو لا کے تیغ
پانی نہ مانگتے تھے ستمگار کھا کے تیغ
آنکھوں میں دم جو خوف سے مثل حباب تھا
زہرہ ہر اک سوار کا دریا پہ آب تھا

طوفاں تھا نہر کا لب دریا جو وقت جنگ
موج صبا کو گھاٹ تک آنے میں تھا درنگ
پنہاں تھی گو نظر سے وہ شمشیر شعلہ رنگ
تھے زیر آب ڈر سے مگر جاں بلب نہنگ
گرداب فرط خوف سے چکر میں آتا تھا
دریا اماں کو پانی کی چادر ہلاتا تھا

کیا سبک روی میں تھا وہ رخش صبا شتاب
دست سوار پر ہو تو چھلکے نہ جام آب
دریا پہ یوں رواں ہو کہ ہو موج کو حجاب
پھوٹیں نہ ٹاپوں کے تلے دیدۂ حباب
مطلق نہ سم ہوں تر یہ ہزار اس کا ڈھنگ ہو
کاووں کو دیکھ دیکھ کے گرداب دنگ ہو

پیسنے لگے سوار وہ جدھر سے گزر گیا
زخمی اسے کیا اسے بیکار کر گیا
وہ جست کی یہ کوند کے آیا ادھر گیا
تڑپا یہ ٹاپ کھا کے کچل کر وہ مر گیا
اعضا لرزتے تھے ہر اک ذی حیات کے
بجلی تڑپ رہی تھی کنارے فرات کے

تھے آب تیغ کے جو تھپیڑے ادھر ادھر
گرتے تھے بہہ کے لعیں ہو کے خوں میں تر
گو تھے نہنگ بحر شجاعت کے وہ گہر
چو رنگ ایک ضرب میں ہو جاتے تھے مگر
ساحل پہ خون بہتا تھا سیلاب کی طرح
بسمل تپاں تھے ماہی بے آب کی طرح

بڑھ کر گلے سے ملتی ہے اور پھر جدا بھی ہے
غل تھا کہ رہبت باز بھی ہے کج ادا بھی ہے
خود غرق بحر حسن بھی سیل فنا بھی ہے
آئینہ دار صاف بھی نا آشنا بھی ہے
عرصہ بگاڑ میں نہ لگاوٹ میں دیر ہے
اس تیغ کا مزاج سمندر کا پھیر ہے

ساحل پہ دیر تک جو چلی تیغ آبدار
بحر فنا میں ڈوب گئے سیکڑوں سوار
باقی جو کچھ رہے تھے وہ سب کر گئے فرار
مَل مَل کے ہاتھ رہ گیا تنہا رسالہ دار
دل مضطرب تھا جرأت و ہمت میں فرق تھا
رخ پر عرق تھا فکر کے دریا میں غرق تھا

بڑھ کر پکارے حضرت عباسؑ نیک خو
کٹوا دیا تمام رسالہ سیاہ رو
کیوں سرد ہے کدھر گیا وہ عزم کینہ جو
اب مشک بھر لیں نہر سے ہم یا لڑے گا تو
ہر چند پیل تن ہے پہ یاں کم ہے مور سے
آیا تو تھا وغا کو بڑے زور شور سے

باتیں یہ جنگ جو کو ہوئیں سخت ناگوار
جرأت کی شور بخت کو لہر آ گئی ایک بار
رانوں میں بادپا کو دبائے بہ اضطرار
آیا قریب تر صفت سیل نابکار
اس دم ابل پڑوں یہی دل میں سما گیا
بحر رجز کے جوش سے کف منہ میں آ گیا

نعرہ کیا کہ اے پسر شاہ لافتا
کہتے ہیں کھیت میں یونہی مرداں باوفا
میں اپنے زور پر یہ ہوں آمادۂ وغا
یکتا جو خود ہو اس کو بھروسا کسی کا کیا
فولاد کا جگر ہے تو وہ بے دریغ ہے
ہاتھ اپنا معرکہ میں ہے اور اپنی تیغ ہے

بولا لسان میں دماں جھوم کر عدو کیا جان ہے جو دبو لڑے مجھ سے دوبدو
افراسیاب و سام ہیں کیا میرے روبرو بدلے نہ تھا اٹھ سامنے رستم سا جنگ جو

تلوار میرے آگے تہمتن تو کھینچ لے
میری کمان سخت کو ارجن تو کھینچ لے

آتا تھا کوئی بھی کبھی ٹھہرا تھا میرے سامنے بس آگئے جس لشکر تو نقشا میرے سامنے
ہوتی ہے جن کی جان فنا میرے سامنے انساں کا قتل بات ہے کیا میرے سامنے

نے مہر ہے مزاج میں نے رحم دل میں ہے
ظلم و جفا شریک اسی آب و گل میں ہے

جب تیغ کھینچی تیغ زنوں میں نہ دم رہا تھا کون سا جری کہ مرے آگے تھم رہا
سو سو سے معرکے میں اکیلا نہ کم رہا ورنہ میں جو ہم ہوئی ثابت قدم رہا

وقت نبرد جو عدا بڑھ کر گھٹا نہیں
مثل شجر جگہ سے کبھی میں ہٹا نہیں

نافہم نے کیے جو یہ دعوے بہ مکر و زور منہ اس کا دیکھ کر متبسم ہوئے حضور
فرمایا کر دماغ پریشاں نہ پر غرور بس بس فضول بک چکا خاموش بے شعور

جھوٹی تعلیوں سے نہ دھمکا دلیر کو
غرا کے او شغال ڈراتا ہے شیر کو

سر پر اجل ہے اور زباں پر کلام لاف باقی رہے گا ایک نہ دعوی دم مصاف
طرز بیاں سے تیرے سفاہت عیاں ہے صاف بیدیں خود اپنے ظلم پہ ہے تجھکو اعتراف

بے رحم نا سزا ہے کہ لیے کچھ سزا بھی ہے
ظالم ہے تو جہاں میں تو عادل خدا بھی ہے

ہے ادعا ثبات قدم کا جو بار بار　　ثابت ہوا کہ بھاگ کے ہوگا ذلیل و خوار
باغی بس اب خزاں ہے ترے باغ کی بہار　　سرسبز ہو دغا میں نہیں اس کا اعتبار

سر علیؑ کے سامنے تھمنا محال ہے
بد اصل آج کھیت میں جمنا محال ہے

بل کھا کے کج نہاد نے شانے سے لی کماں　　جوڑا غضب میں ناوک بیداد بے اماں
شاہین تیز بال نے چھوڑا جو آشیاں　　بھر شکار ہیں ہوئی تیغ جانستاں

پھڑکا دل آپ اپنی خطا پر شریر کا
سر اُڑ گیا ہدف کی طرح مرغ تیر کا

خالی گئے جو تیر تو گھبرایا خانہ جنگ　　کچھ سوچ کر کماں میں رکھا اور اک خدنگ
چلہ کشی نے زور سے کھینچا جو بے درنگ　　پھندے کی طرح ہو گیا حلقہ کماں کا تنگ

دام بلا سے چھوٹنا دشوار ہو گیا!
شاہین تیر مرغ گرفتار ہو گیا

حد سے سوا جو غیظ سے کھینچا وہ بے ہنر　　گوشے تھے دونوں منھ کے قریب اور نہ تھی خبر
پائی کشش جو ہاتھ سے سرکش کی اس قدر　　چلائی یہ کماں کہ ٹوٹی مری کمر!

خم ہو کے تا کتا تھا کہ نقشہ بدل گیا
چلہ کماں کا ٹوٹ گیا بل نکل گیا

تن کر پکارے حضرت عباسؑ حق شناس　　کیا خوب تیری چلہ کشی ہے زہے حواس
ہو جاتی ہے بشر سے خطا ہے عبث اداس　　حربہ سنبھال اور جو ہے آبرو کا پاس

ظاہر کمال ہو گئے کس بل دکھا چکا
پائی شکست پھینک کماں منھ کی کھا چکا

نزدیک آ دلیر ہٹ کے اب رنج دور کر
کامل ہے نیزہ بازی میں ہے کی ضرور کر
اس میں کمی نہ کی تھی نہ اس میں قصور کر
چکھا مزا غرور کا کیوں پھر غرور کر
ہاں اکبر ہے رحیم سے کیا د کا چلن
جائے نہ ہاتھ سے کہیں استاد کا چلن

پھینکا کماں کو ہاتھ سے اس حیلہ ساز نے
تازی کو تازیانہ کیا بیخہ تاز نے
نیزے کو بڑھ کے طول دیا قد دراز نے
بھالا سنبھالا بازوے شاہ حجاز نے
موذی کے مارنے کو جو یہ اژدہا بڑھا
واں انگلیاں اٹھیں کہ وہ دست قضا بڑھا

بھالا یہ قہر تھا تو وہ نیزہ بلا ئے بد
تھی پھر تو بس نکال یہ نکال اور زد یہ زد
کوشش ادھر سوا تھی تو کم تھی ادھر کد
یہ بند کھل گیا ہوئی وہ طعن دم میں رد
تھمتے نہ تھے قدم جو کسی راہوار کے
بادل زمیں سے اٹھتے تھے ہر دم غبار کے

وہ گشت توسنوں کی وہ چالاکیاں وہ موڑ
نیزوں کی گردش اور کلائی کی وہ مروڑ
دکھلا کے نوک جھونک جو باندھا شقی نے جوڑ
اک آن بان سے کیا اس صف شکن نے توڑ
دونوں طرف عیاں تھے ہنر بھی کمال بھی
ردّ و بدل بھی طعن کی تھی دیکھ بھال بھی

خالی گئی جب اس کی سناں آکے سر کے پاس
ہو کچا یہ حجاب یہ نیزہ جگر کے پاس
وہ تیز دم انی اگر آئی کمر کے پاس
یہ جانستاں تھی پہلوئے بیدادگر کے پاس
کاوے بھی تاک جھانک بھی سب باکیاں بھی تھیں
گھٹ بڑھ بھی آؤ جاؤ بھی چالاکیاں بھی تھیں

پھرتی سے شعبدہ وہ دکھاتا تھا ہر زماں　　وقتِ نبرد جلوۂ اعجاز تھا عیاں
اس بے حیا کو سحر و ادا پہ علی کا تھا گماں　　مثلِ علیؑ طریقۂ علوی ادھر عیاں
ہر بند اس کا کفر و حسد کا طلسم تھا
حملوں میں یاں زبان پہ خالق کا اسم تھا

تا دیر اس طرح جو رہیں تیز دستیاں　　کچھ بدحواس سا ہوا تھک کر وہ پہلواں
چوکی ذرا نظر جو ستمگر کی ناگہاں!　　بازو کے تسمہ شاں سے اُڑا لے گیا سناں
اندھیر ہو گیا تھا ستم پر جفا پہ تھا
مشعل تھی اُس کے ہاتھ میں شعلہ ہوا پہ تھا

ناگاہ دو ادھر چوب کے تیغیں لگیں بہم　　دو بجلیاں تڑپنے لگیں رن میں دم بدم
چالاکیاں دکھانے لگے اسپ خوش قدم　　کانپے جبل لرزنے لگا وادیٔ ستم
مشتاق ہو کے بہر تماشا اجل بڑھی
شور بلند تکبیر سے رد و بدل بڑھی

چوٹیں وہ سخت سخت وہ ضربیں کڑی کڑی　　تیغوں کی وہ تڑپ صفتِ برق ہر گھڑی
خالی وہ کر گئی تو یہ پھر ڈھال پر پڑی　　بادل گرج گئے جو سپر سے سپر لڑی
ضربوں کا امتحاں تھا زور آزمائی تھی
جانیں لڑی ہوئی تھیں غضب کی لڑائی تھی

سیدھی وہ تیغ آئی یہ ترچھی اُدھر گئی　　وہ سر کے پاس اور یہ قریب کمر گئی
چالاک تر وہ آئی تو یہ تیز تر گئی　　وہ آ گئی چمک کے تو یہ کوند کر گئی
بیتاب وہ اُدھر یہ ادھر بے قرار تھی
وہ جانبِ یمیں تو یہ سوئے یسار تھی

چلتے تھے جانبین سے ہر دم غضب کے ہاتھ — اُٹھ جاتے تھے صفوں میں یدِ مدح سب کے ہاتھ
پرنچے بڑھے ہوئے جو شجاعِ عرب کے ہاتھ — ہوتا تھا غل کہ پڑ گیا سرکش پہ اب کے ہاتھ
کہتی تھی تیغ دیکھ کے اس دار و گیر کو
ہاں اے ہزبر مار لیا ہے شریر کو

پھرا ہوا جو ہے پسرِ ضیغمِ صمد — اب کچھ جھجک کے وار لگاتا ہے بے خرد
یوں بڑھ کے پیچھے ہٹتا ہے وہ بانیٔ حسد — دریا میں آشکار ہو جس طرح جزر و مد
دم لب پہ ہے مگر وہی لاف و خروش ہے
زہرہ تو آب آب ہے جرأت کا جوش ہے

وقتِ وغا حریف کا دیکھا جو اضطرار — اک جا پہ جم کے ٹھہرے ہوئے عباسِ نامدار
رہوار سے شقی نے ملایا جو راہوار — کوڑا اڑا سمند کے چہرے پہ ایک بار
بدھی کا اُس کے منہ پہ نشاں ناگ ہو گیا
گرما کے دوزخی کا فرس آگ ہو گیا

بھڑکا جو داغ پا ہوا بیکل ہوا فرس — تسکیں تھی نے رکاب میں جیسے قرار میں کچھ پیش و پس
کہتا تھا ہاتھ اٹھا کے شقی دمبدم کہ بس — شعلے کی طرح پیدہ نہ ہٹتا تھا اک نفس
کم تھی جو ایک دم نہ تڑپ راہوار کی
جھٹکوں سے جم نہ سکتی تھی سٹری سوار کی

لاتا تھا موڑ کر جو ادھر بانیٔ ستم — پھٹتا تھا دونوں باگوں پہ شبدیز تیز دم
ٹھکراتا تھا شریر کہ آگے بڑھے قدم — وہ پچھلے پاؤں ہٹتا تھا گردن کو کر کے خم
ہر بار سرکشی صفتِ پیلِ مست تھی
صبحہ تھا برہمی تھی طرارہ تھا جست تھی

ہر دم تھا کجروی پہ ادھر رخش پہلواں   یاں جھومتا تھا مرکب عباس نوجواں
دشمن پہ جا پڑے گا یہ تیور سے تھا عیاں   سمٹا ہوا اٹھی ہوئیں دونوں کنوتیاں
کف منھ میں غیظ سے قدم آگے بڑھے ہوئے
ابلی ہوئی وہ انکھڑیاں نتھنے چڑھے ہوئے

آخر دبا کے رخش کو آیا ستم شعار   چمکا چمک سے تیغ کی تازی پھر ایک بار
کوڑا دکھا کے ایڑ جو کرنے لگا سوار   بس دفعتاً الف ہوا وہ ہو کے بیقرار
پٹھوں تلک پھسل کے تنقی زیں سے ہٹ گیا
گھبرا کے باگ کھینچ لی گھوڑا الٹ گیا

گھوڑے کے نیچے دب گیا جسدم وہ پہلواں   سمجھے یہ سب کہ چور ہوئے اس کے استخواں
بالائے تن پہاڑ کا تھا لنگر گراں   بیدم ہوا نہ اس پہ بھی لیکن وہ سخت جاں
اٹھا تڑپ کے رخش تو زندہ زمیں پہ تھا
اک دم میں خاک جھاڑ کے نامرد زیں پہ تھا

ہنس کر پکارے حضرت عباسؑ نامور   لے آشکار ہو گئے بالکل ترے ہنر
بہتر یہ ہے کہ جنگ کی اب جستجو نہ کر   بے آبرو ہوا اسی دریا میں ڈوب مر
دل پھنک رہا ہے آتش غم کا وفور ہے
دوزخ میں سرد ہو کے پہنچنا ضرور ہے

جوش غضب میں چاہتا تھا کہے کچھ ذلیل!   ترچھی ادھر سے چل گئی شمشیر بے عدیل
سر اڑ گیا تڑپ کے گرا پیکر ثقیل   خوں شور بخت کا ہوا بہر زمیں سبیل
قدرت کا جوش مٹ گیا تیغ آزمائی میں
مچھلی سا لوٹنے لگا لاشہ ترائی میں

تکبیر کہہ کے آپ نے دیکھا ادھر ادھر
لاکھوں تھے گو نہ تھا لب دریا کوئی مگر
نعرہ کیا کہ جنگ میں کیونکر نہ ہو ظفر
منصور ہیں سدا اسد اللہ کے پسر
کیا اس شقی کی اصل تھی اور کیا یہ حرب تھی
او ابن سعد دیکھ یہ شیر نر کی ضرب تھی

کی زور شور سے لب دریا جو کارزار
بیتاب پیاس سے ہوئے عباسؑ باوقار
لہراتا پانی دیکھ کے تھا دل جو بیقرار
آنسو بہا بہا کے یہ کہتے تھے بار بار
ہر موج تیغ ہے دل بیتاب کے لیے
بچے تڑپ رہے ہیں اسی آب کے لیے

دیکھا جو شیر نے کہ نہیں کوئی سد راہ
بڑھ کر فرس کو نہر میں ڈالا بعز و جاہ
بھولی نہ تھی جو تشنگی شاہ دیں پناہ
تسمہ پکڑ کے مشک ڈبو لی بہ اشک آہ
پروانہ تھی عطش کی حواس اس کو کہتے ہیں
پانی سے ہاتھ دور تھا پیاس اس کو کہتے ہیں

غازی کو یہ گماں تھا کہ تازی پیے گا آب
حیواں کو پانی دیکھ کے ہوگی کبھی نہ تاب
چمکار کر لگام کو چھوڑا بصد شتاب
گھوڑا بھی باوفا کا مگر تھا وفا مآب
آنسو ٹپک پڑے فرس بے مثال کے
دابا زباں کو دانتوں میں کف منہ سے ڈال کے

گو بے زباں تھا پر یہ اشارا تھا سر بسر
افسوس آب نہر سے کر لوں میں حلق تر
نام وفا ڈبو دوں نہ پھٹ جائے گر جگر
پانی پہ تف ہے پیاسے ہوں جب شاہ بحر و بر
دل مضطرب ہے ضبط کا یارا نہیں مجھے
دریا کو دیکھنا بھی گوارا نہیں مجھے

شاباش کہہ کے بڑھنے پہ تھا وہ فلک نثار ناگاہ فوج میں یہ ہوئی ہر طرف پکار
لو مشک بھر کے لے چلے عباسؑ نامدار اٹھی سپاہ دوڑ پڑے سیکڑوں سوار
محصور پھر لڑائی میں وہ شیر ہو گیا
چھائی گھٹا کہ مہر پہ اندھیر ہو گیا

تیروں کا مینھ برسنے لگا تشنہ لب پہ آہ ہر سمت مثلِ قلعۂ آہن ڈٹی سپاہ
جانا جدھر تھا تیروں سے رک گئی وہ راہ تیغیں کھنچی ہوئی تھیں کہ اللہ کی پناہ
اک شور تھا کہ بڑھنے نہ دو اس دلیر سے
گھوڑے ملا کے چھین لو مشکیزہ شیر سے

گو گھر گیا تھا بازوئے شاہ فلک اساس پر تھی وہی دلیر کی ہمت وہی حواس
کہتا تھا سب سے آنکھ ملا کر وہ حق شناس کیا لوگے مشک تیغ ہے جب تک ہمارے پاس
چھوڑوں نہ سر بدن پہ کسی بد خصال کے
کیا ہاتھ کٹ گئے ہیں یداللہ کے لال کے

حملہ کیا یہ کہہ کے صفوں پر بصد حشم کٹنے لگے تنوں سے سرِ لشکرِ ستم
تیغیں کھنچیں لڑے صفتِ شیر دمبدم کاٹا یہ تیغ مرتضےٰ سے وہ نیزہ کیا قلم
ہر دم شکست فوج ستم کھائی جاتی تھی
پر حیف ہے کمک پہ کمک آتی جاتی تھی

آفت کی جنگ جھیل رہا تھا وہ شیرِ نر ہر وار کا جواب تھا ہر سمت تھی نظر
لیکن رکھے خیال وہ تنہا کدھر کدھر لگ جاتی تھی سناں کبھی نیزہ کبھی تبر
گھر گھر گئے ہر گھڑی صفتِ شیر اڑ گئے
دس بیس وار روکے تو دو چار پڑ گئے

غفلت ادھر ہوئی تو نظر اس طرف لڑی | تلوار سے بچے تو سناں جسم میں گڑی
نیزہ قلم کیا تھا کہ تیغ دو دم پڑی | باران تیر ظلم نہ تھا مینہ کی تھی جھڑی
حربوں نے سر سے تا بہ قدم چور کر دیا
ہے ہے جری کو موت نے مجبور کر دیا

ریلے ہیں فوج کے کسے سرکائیں کیا کریں | ہر سو ہے راہ بند کدھر جائیں کیا کریں
کس طرح دشمنوں سے اماں پائیں کیا کریں | کیونکر نہ تن پہ تیغ و سناں کھائیں کیا کریں
مشکیزہ ہے علم ہے سنبھالیں کسے کسے
آفت یہ آتی ہے ٹالیں کسے کسے

لو اب بہت نڈھال ہیں عباسؑ ہے غضب | زخمی کو مارے ڈالتی ہے پیاس ہے غضب
بچنے کی اب جری کو نہیں آس ہے غضب | تلواریں چل رہی ہیں چپ و راس ہے غضب
ہے ہے اجل نے گھاٹ پہ روکا جناب کو
ہے ہے ظفر نے ہاتھ سے چھوڑا رکاب کو

شانے پہ لو وہ چل گئی تلوار ہائے ہائے | لو دست راست ہو گیا بیکار ہائے ہائے
سر پر پڑا وہ گرز گرانبار ہائے ہائے | لو مشک سے بھی تیر ہوا پار ہائے ہائے
لو دست چپ بھی تیغ سے ہو کر قلم گرا
لو تھرتھرا کے فوج خدا کا علم گرا

یاں تو گرے فرس سے علمدار مہ جبیں | باجوں کا شور سن کے چلے آل شاہ دیں
غم میں جو پیارے بھائی کے تھے مرگ کے قریں | آنکھوں سے آسماں نظر آتا تھا نہ زمیں
دل ٹکڑے ٹکڑے چاک گریباں کئے ہوئے
بغلوں میں ہاتھ اکبر مہرو دئیے ہوئے

فاقوں میں قلب پر جو گرا تھا یہ کوہ غم ضعف اس قدر بڑھا تھا کہ اٹھتے نہ تھے قدم

رخسار زرد آنکھوں میں حلقے کمر میں خم نعرے یہ تھے کہ ہائے نہ ان کے مرے نہ ہم

واحسرتا یہ تفرقے دم بھر میں پڑ گئے

ہم ان سے چھوٹے اور وہ ہم سے بچھڑ گئے

اے اکبر جری مرا بھائی ہے کس طرف غازی کو موت گھیر کے لائی ہے کس طرف

سلطان لافتا کی کمائی ہے کس طرف ہم لٹ گئے جہاں وہ ترائی ہے کس طرف

اشک عزا سے چہرہ پہ گرد دھو تو لیں

دریا پہ اپنے چاہنے والے کو رو تو لیں

گرتے ہوئے یہ بین جو چلے جاتے تھے امام ناگہ سنا یہ شور میان سپاہ شام

آ پہنچے ہیں قریب شہنشاہ تشنہ کام ہاں جلد کاٹ لو سر عباس نیک نام

رہنے دو خاک پر جسد پاش پاش کو

لے ہی حسین پائیں برادر کی لاش کو

اکبر سے رو کے کہنے لگے شاہ دیں پناہ لو اور قہر ہوتا ہے اے میرے رشک ماہ

اسدم برادر کشتہ رہا بحالت تباہ تلوار جلد کھینچ کے دوڑو برائے اللہ

دیدار بھی نصیب نہ ہوگا اس دلیر کا

سر تن سے کٹ نہ جائے کہیں شیر نر کا

دوڑے یہ سن کے تیغ بکف اکبر جواں اور پیچھے لڑکھڑاتے چلے شاہ انس و جاں

دشمن سے منتشر جو ہوا لشکر گراں دیکھا کہ غش پڑا تھا کنارہ عباس نیم جاں

سینے پہ نشان مشک ہیں پیکاں گڑے ہوئے

اور کٹ کے دونوں ہاتھ ہیں رستے جدا پڑے ہوئے

تن سے جدا تھا بازوئے عباسؑ باوفا — پنجے سے پر چھٹی نہ تھی شمشیر آبدار
تھالے لہو کے گرد بدن چور سر فگار — پہلو میں سر جھکائے وفادار راہوار
چہرہ تھا زرد ہونٹوں پہ دم جان بھائی میں
ٹھنڈا پڑا ہوا تھا علم بھی ترائی میں

تھرا کے شہ نے اکبر غازی سے یہ کہا — کیوں ٹھہرے یاں کدھر ہے علمدار باوفا
بھائی کی جستجو میں ہوں میں غم کا مبتلا — بیٹا یہ کس کی لاش پہ لے آئے میں فدا
صدمہ ہوا یہ اور دل پر ملال پر
ٹکڑے کلیجہ ہوتا ہے بیکس کے حال پر

کی عرض کیوں نہ تاب ہو صدمۂ محن — جھک کے بغور دیکھیے یا سرور زمن
ہیئت بدل گئی ہے کہ ہے چور سب بدن — بابا یہی ہے لاشۂ عباسؑ صف شکن
اُٹھنے پہ کوئی دم میں علیؑ کا نشان ہے
کہنا ہو جو وہ کہیے کہ ہونٹوں پہ جان ہے

چلائے گر کے خاک پہ سلطان بحر و بر — ہے ہے یہ تم ہوا اے مرے عباسؑ نامور
دیکھوں زمیں پہ تم سے برادر کو خوں میں تر — بھائی کہاں سے لاؤں میں اس طرح کا جگر
کیوں پہلے میری جان نہ تن سے نکل گئی
تڑپا دیا نہ کس طرح کہ چھری مجھ پہ چل گئی

پہنچی صدا جو گریہ سرور کی گوش میں — آئے تڑپ کے حضرت عباسؑ ہوش میں
پایا جو دم امام نے اُس سرفروش میں — بولے ملا کے لب سے لب الفت کے جوش میں
حسرت رہے نہ فاطمہؑ کے نور عین کو
بہر خدا صدا بھی سُناؤ حسینؑ کو

بولے بجبر پھیر کے منھ جانب قدم　　تکلیف کیوں حضور نے کی یا شہ اُمم
اک مشتِ خاک پر یہ نوازش ہے یہ کرم　　دنیا میں دیر گاہ سلامت رہے یہ دم
رد ہو ہر اک بلا شہ عالی جناب کی
بستی نہ ہو تباہ رسالت مآب کی

غم اپنی جان کا نہیں کچھ یا شہ انام　　صدقے ہوا حضور پہ یہ ہے شکر کا مقام
گر ہے تو فکر یہ ہے کہ تنہا ہوئے امام　　چھٹتا ہے اس قدم سے تڑپتا ہوا غلام
صدمہ ہے ایک ہجر شہ حق شناس کا
اک داغ لے چلا ہوں سکینہ کی پیاس کا

لیجے حضور ہوتا ہے رخصت غلام اب　　اُکھڑی ہے سانس روح بہ ہے مستعد تعب
چارہ ہے کیا سنبھالئے دل کو بر ادب　　یہ آخری کلام ہے یا شاہ تشنہ لب
تیغیں کھنچی ہوئی ہیں عدو کی سپاہ میں
حضرت کو سونپتا ہوں خدا کی پناہ میں

یہ کہتے تھے کہ بند نگاہ پاک بان ہوئی　　گھبرا کے روح عازم باغ جناں ہوئی
دم میں بہار عارض گلگوں خزاں ہوئی　　آنسو ڈھلے نگاہ سے حسرت عیاں ہوئی
رونق جو چشم پاک کی تھی کھو کے رہ گئی
گردش سی دونوں پتلیوں کو ہو کے رہ گئی

جھک کر بغور تکنے لگے منھ کو شاہ دیں　　یعنی کہ سانس ہے ابھی یا تن میں دم نہیں
سر پیٹ کر یہ کہنے لگے اکبر حزیں　　اے بابا جان مر گئے عباس مہ جبیں
پڑتی ہے گرم دھوپ تن پاش پاش پر
اپنی عبا اڑھا دیئے [illegible] کی لاش پر

قسمیں جو دیں حسینؑ کو اکبر نے بار بار — اُٹھے بجبر خاک سے حضرت بحالِ زار
جبر اس قدر تھا جسم علمدار نامدار — لے جا سکے نہ لاش امام فلک وقار
ہو کر وداع دلبر شیر الٰہ سے
مشک و علم کو لے کے چلے قتل گاہ سے

جاتے تھے شاہ مضطر و نالان و خستہ حال — اکبر نشان سبز لیے تھے لہو میں لال
کٹ کر جو مشک خوں میں بھری تھی دمِ جدال — ہیبت سے یہ عیاں تھا کہ مذبوح ہے غزال
مجروح پیش و پس تھا یہ گھوڑے کی شان تھی
مڑ مڑ کے رن کو تکتا تھا راکب میں جان تھی

عصمت سرا میں آئے جو اس حال سے امام — گھبرا کے دوڑیں پیٹتی سیدانیاں تمام
رو کر بہن سے کہنے لگے شاہ خاص و عام — زینب بڑھاؤ اب علم سید الانام
تازہ ہوا پھر آج الم بابا جان کا
مارا گیا فرات پہ حامل نشان کا

فرما کے یہ لٹا جو دیا خاک پر نشاں — ماتم پڑا محل میں تلاطم ہوا عیاں
چلاتی تھیں سکینہ کہ عمو گئے کہاں — ہے ہے ہوئی نہ پہلے تصدق یہ نیم جاں
دی اپنی جان پیاس جو مجھ کو سوا لگی
پیارے چچا مجھے نہ تمھاری بلا لگی

لکھتا ہوں حال زوجۂ عباسؑ عرش جاہ — رُخ زرد و سر کھلا ہوا بیتاب لب پہ آہ
چلاتی تھی کہ اے شہ والا کے خیر خواہ — آج اس پرائے دیس میں لونڈی ہوئی تباہ
غربت میں ساتھ والیٔ وارث کا چھٹ گیا
مانگ اُجڑی آس ٹوٹ گئی راج لٹ گیا

جنگل میں تم تو مر گئے صاحب میں کیا کروں　　ڈھونڈھوں کہاں کدھر گئے صاحب میں کیا کروں
رخصت کے دن گزر گئے صاحب میں کیا کروں　　یہ کیا سلوک کر گئے صاحب میں کیا کروں

کم ہے تڑپ تڑپ کے اگر جان کھوؤں میں!
روؤں تمھیں کہ اپنی تباہی کو روؤں میں!

شب کو یہ مجھ سے کہتے تھے رو کر بصد تعب　　صاحب تمھارا ہجر گوارا تھا مجھ کو کب
پر کیا کروں کہ رن میں ہیں شاہ تشنہ لب　　جینا کسی طرح سے مناسب نہیں ہے اب

ایسا ہو کچھ کہ ذکر وفا چار سو رہے
تم بھی دعا کرو کہ مری آبرو رہے

والی مرے تمھاری وفا کے ہوں میں فدا　　دنیا میں آبرو بھی ہوئی نام بھی رہا!
اُلفت تھی جس (بھتیجی) کی اولاد سے سوا　　غربت میں جان کھوتی ہے اپنی وہ مہ لقا

بچی بھڑک رہی ہے سنبھلنا محال ہے
آؤ تمھیں کہ ہم سے بہلنا محال ہے

صاحب یہ جان نثار نہ کیوں اشک خوں بہائے　　کس بد گھڑی سے رن کو سدھارے کہ پھر نہ آئے
دنیا میں ہو کہیں تو کوئی جا کے ڈھونڈھ لائے　　تم نے تو کھوئی لال سی جان اپنی ہائے ہائے

چھانا کروں گی خاک میں دنیائے زشت کی
صاحب فضا ہو تم کو مبارک بہشت کی

اے انیسؔ بزم غم میں تلاطم ہے بس خموش　　گریاں تمام مجمع مردم ہے بس خموش
صدمہ ہے دل پہ عقل پریشاں ہے بس خموش　　طاقت نہیں ہے اب نہ تاب تکلم ہے بس خموش

خوش فکر ہے وہ نام کی جو جستجو رکھے
سقائے اہلبیتؑ تری آبرو رکھے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خلق سے اٹھ کر وفا کا نام زندہ کر گئے
زندۂ جاوید ہیں جو راہِ حق میں مر گئے

حضرت جاوید رحمۃ اللہ کا مختصر سا ہی انجمن محافظ اردو کے زیرِ سلسلے کی چھٹی قسط (بازارِ سخن) میں تذکرہ کیا جا چکا ہے۔ پیشِ نظر بارھویں قسط میں تکرار تفصیل حاصل ہے۔

چند ضروری چیزوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ مرحوم کا نام سید محمد کاظم صاحب آپ کے پدر محترم جناب سید محمد جعفر صاحب امید ابن صفوۃ العلماء مولوی سید محمد باقر صاحب اعلی اللہ مقامہ ابن سلطان العلماء مولوی سید محمد صاحب طاب ثراہ ابن غفرانمآب مولوی سید دلدار علی صاحب طاب ثراہ تھے۔ آپ بہ حیثیت کمال فن شعر و شاعری خاندان اجتہاد کی بہت نمایاں فرد تھے۔ آپ کا عرف بنے کاظم صاحب تھا۔ آپ کا انتقال ۱۴ ربیع الاول سنہ ۱۳۴۲ھ کو ہوا اور جناب غفرانمآب علیہ الرحمہ کے امامباڑے میں دفن ہوئے۔

شاگردوں کی مختصر فہرست (بازارِ سخن) سلسلہ کی چھٹی قسط میں پیش کی جا چکی ہے۔ مکمل فہرست کا بار مختصر صفحات اٹھانے کو تیار نہیں بس اس قدر کافی ہے کہ آپ مسلم الثبوت استاد تھے۔ آپ کے بعد بعض شاگرد بھی صاحب فن و صاحب تلامذہ گزرے ہیں۔ مثلاً جناب سید محاور حسین صاحب تمنا مرحوم اور لڈن صاحب بہار مرحوم وغیرہما

آپ کے بکثرت مراثی موجود ہیں۔ جو مصنف مرحوم کی خوش نصیبی سے عالی جناب سید سرفراز علی خان صاحب شاکر رئیس جانسٹھ ضلع مظفر نگر تک پہونچ گئے اور نواب صاحب موصوف نے ذہنی ادب دوستی کا ثبوت دیتے ہوئے نہایت سلیقے سے مرثیے صاف کرا کے دو جلدوں میں

تقسیم فرمائے ہیں ۔ جن میں کی ایک جلد صدر انجمن محافظ اردو حضرت مہذب کو مرحمت فرمائی جس کا ایک منتخب مرثیہ پیش نظر جلد میں ناظرین کی نقاد نظر کے لیے پیش کیا گیا ہے ۔

اس میں کلام نہیں کہ حضرت جاوید رح انتہائی زود گو اور پُرگو شاعر تھے اصناف سخن پر قدرت حاصل تھی ۔ آپ کے چند غزلیات انجمن محافظ اردو نے (بازار سخن) میں شائع کئے ہیں ۔ آپ کا مکمل دیوان خدا معلوم کہاں ہے اور کس شاعر کو شعر گوئی کی زحمت سے محفوظ کئے ہوئے ہے ۔

رباعیات و سلام کا بھی پتہ نہیں ۔

آپکے مراثی میں تغزل کا کافی ذخیرہ ہے ۔ زبان بہت نرم ۔ محاورات بکثرت روزمرہ کے دریا بہائے ہیں ۔

تخیل کی نزاکت آپ کا حصہ تھی ۔

جدید مضامین کی پیداوار آپ کا فطری جوہر تھی ۔

آپ کی خوانندگی نہایت سادہ تھی مگر ایک کیف تھا ۔ شہر لکھنؤ کے علاوہ ۔ جعفرآباد ۔ حیدرآباد ۔ پٹنہ اور دیگر مقامات میں بھی آپ تشریف لے جاتے تھے اور کامیاب مجلسیں پڑھ کے واپس ہوتے تھے جن کا سکہ اب تک دلوں پر بیٹھا ہوا ہے ۔

آپ کے منتخب مراثی کی مستقل جلد عنقریب انشا اللہ تعالیٰ انجمن محافظ اردو شائع کرنے والی ہے ۔ جو اہل ذوق کے لیے بہترین غذائے رُوح ہوگی ۔ خداوند عالم مرحوم کو غریق رحمت فرمائے اور جوار سید الشہدا میں جگہ کرامت فرمائے ۔

(ادارہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

درحالِ ہم شبیہ پیغمبرؐ حضرت علی اکبر علیہ السلام

(بند ۸۸)

کون دنیا میں نہیں آج ثنا خواں میرا　　بسکے جو دل میں رہے وہ نہیں ارماں میرا
دہر کی تیز ہوا سے نہیں نقصاں میرا　　منھ چھپا لے گا چراغِ تہِ داماں میرا
سوزِ غم بھی سببِ کارِ نمایاں ہو جائے
یوں نفس ہوں نہ دبا لا کہ چراغاں ہو جائے

میں وہ ہوں جس کو نہ اچھے نہ بُرے کی پروا　　کون سی جا پہ نہیں نظم کا میری چرچا
میرے سایہ کو یہ دعویٰ ہے کہ میں ہوں یکتا　　بارہا مہرِ جہاں تاب نے کی کسب ضیا
بارور پھر نہ ہو کس طرح یہ گلشن میرا
سو شعاعوں کے ہیں ہاتھ ایک ہے دامن میرا

سچ ہے قسمت یہ جو بنتی ہے بگڑ جاتی ہے خو　　گردشِ چشم ہوئی اور نکل آئے آنسو
دل تڑپنے کے بتا دیتا ہے سو سو پہلو　　اب یہ رونا ہے کہ ضائع کیا کیوں دل کا لہو
نئے صدموں نے جہاں سے مجھے کھو رکھا ہے
انھیں اشکوں کے تو دریا نے ڈبو رکھا ہے

حشر میں سب کے ابھی آئیں گے آنے والے نقشِ باطل مجھے کہتے تھے مٹانے والے
دوست رکھتے ہیں مجھے میرے گھرانے والے آفتاب اب مجھے کہتے ہیں زمانے والے

چاندنی چار ہی دن کی صفتِ بدر ہوئی
جب زوال آگیا مجھ پر تو مری قدر ہوئی

اب تو آنکھوں کی طرح دیکھیے اعضا بھی حباب دل لہو ہوتا ہے جب نظر آتے ہیں وہ خواب
کوئی دیتا ہے فردوسیِ طوسی کا خطاب کوئی مردوں میں ملاتا ہے کہ مٹی ہے خراب

نقش کی پاؤں سے جب شست تپ زنجیر ملی
میں یہ سمجھا کہ مرے خواب کی تعبیر ملی

میرے رانوں کے تڑپنے کو نہ پوچھیں احباب غیظ سے چین کہیں ہو گیا تھا بستر خواب
میں تڑپنے میں جو ٹھہرا تو ہوا دل بیتاب استخواں رہ گئے تھے ٹوٹ کے نالوں کا جواب

کسی بسمل کو خبر تھی نہ کسی بسمل کی
ہچکی آنے سے رگیں ٹوٹ گئی نبض دل کی

نیند جب تک نہیں آئی وہی راتیں ہیں گواہ آبلے دیکھ کے جلنے لگے تھے تارِ نگاہ
تیرہ و تار مکاں اور تھا تنہائی کی پناہ مختصر یہ نہ ملی نیند کو آنکھوں کی بھی راہ

گرمی آبلۂ دل سے میں مضطر رہتا تھا
آگ پانی سے لگی تھی تو جلا جاتا تھا

جمع اسبابِ مصیبت کے تھے کاشانے میں درد کو فائدہ کیا تھا مرے تڑپانے میں
فرق ظاہر تھا نہ جینے میں نہ مر جانے میں شمع ان آنکھوں کی طرح آگئی سیہ خانے میں

داغِ دل کی تھی ضیا سے مجھے شرم آتی تھی
خیر اسی روشنی میں رات تو کٹ جاتی تھی

مجھکو مرنا نہیں جینے سے زیادہ مشکل — ان سے فرمائیں کیوں سا رحم کی جو ہو قابل
یوں تڑپتا ہوں کہ جس طرح سے تڑپے بسمل — ہاں ذرا گور غریباں میں بہل جاتا ہے دل

حسرتیں دستِ تاسف کو ملا کرتی ہیں
باتیں قبروں کی خموشی سے ہوا کرتی ہیں

کوئی دم بھی نہیں صدموں سے مجھے اب تو فراغ — اب بہلنے سے خیالات نہ بہلا سا دماغ
مدتوں سے جو خزاں دیدہ ہے یہ ہی وہ باغ — ان ہی قبروں پہ جلا کرتے ہیں غولوں کے چراغ

آہیں بھرنے کی حقیقت نہ بتائیں ان سے
دور ہیں ان کے نفس کی بھی ہوائیں ان سے

قبریں دیکھیں کہیں دو چار کسی جا پہ ہزار — بیکسی روتی تھی اُن پر کہ جو کہنہ تھے مزار
بیٹھ جانے میں نہ راحت تھی نہ اُٹھنے میں قرار — سو جگہ قبر شکستہ پہ ہوا قلب فگار

میری آواز وہاں تک جو نہیں جاتی تھی
چادرِ قبر کے پھولوں کو ہنسی آتی تھی

اب کوئی دوست نہیں مونس و غمخوار نہیں — بیکسی کہتی ہے کوئی بھی طرفدار نہیں
قبر کی سیر ہر اک طبع پہ کیا بار نہیں — چار دیواروں میں گھر کی کوئی دیوار نہیں

لاکھ دو لاکھ نہیں ان سے برابر قبریں
ایک جنگل میں نظر آئیں بہت سی قبریں

دھوپ کو دیکھ کے ہر ایک شجر جلتا ہے — شمع کی طرح سے ہر داغِ جگر جلتا ہے
یہ چراغ ایسا ہے جو شام و سحر جلتا ہے — دیکھ لینے سے بھی دامانِ نظر جلتا ہے

تشنہ زبانوں سے بصد قلبِ حزیں کہتی تھی
قبریں پیاسوں کی یہ ہیں اُن کی زمیں کہتی تھی

کربلا میں یہ عجب باغ ہوا تھا پامال
آج گیا حشر تلک جس کی ملے گی نہ مثال
کب میسر ہوئیں معلوم ہے قبروں کا بھی حال
پہلے بے دفن رہی احمدِ مختار کی آل
پھر یہ رونا تھا کہ قسمت نے دکھائیں قبریں
ایک بیمار نے مشکل سے بنائیں قبریں

ایک شب کیا کٹی راتوں کا ہر اک تھا جاگا
دوپہر تک کوئی سویا کوئی پہلے سویا
سب نمازیں جو ادا ہو چکیں تب آئی قضا
آپ تھے حجتِ حق اس سے تحمل تھا سوا
قرب کی جس کے تمنا تھی اُسے پا ہی لیا
عصر کی پڑھ کے نماز آپ کو نیند آ ہی گئی

ذکر اب اس کا ہے جس سے تھا وفاؤں کا رواج
کون وہ جس کی سخاوت کا زمانہ محتاج
بچہ معصوم کے ہر اک کا وہی تھا سرتاج
اُن ہی شبیروں میں وہ اک شیر تھا محروم مزاج
خون کو ڈھونڈھے بھی گرم زمیں پا نہ سکی
بے ترائی کی ہوا کے جسے نیند آ نہ سکی

صبحِ عاشور سے دو بچوں پہ ہے آمدِ خواب
ایک کی ایک نظیر، ایک کا ہے ایک جواب
مرتے مرتے بھی گیا ماں کا نہ داب و آداب
جن کے بچپن کو کہیں وہ یہ رہا ہی شباب
نہ محل تھا کہیں سونے کا مگر یہ سوئے
ماں کی تقدیر اُدھر سوئی اِدھر یہ سوئے

حالِ بے شیر کے سونے کا سنیں اہلِ عزا
نفسِ سرد بھرا کرتی ہے جنگل کی ہوا
شہ کا دل چھد گیا سوکھا سا گلا ان کا چھدا
ہاتھ پر باپ کے یہ تھے کہ لگا تیرِ قضا
کھینچ کر دشتِ پُر آفت میں اجل لائی اُسے
کانپتے ہاتھوں کے گہوارے میں نیند آئی اُسے

اک جواں کے بھی ذرا خواب کا سنیئے مذکور
غیب عالم میں جوانی کی بہت ہے مشہور
ایک مدت سے سفر میں ہیں شہنشاہ غیور
نوم خاص آپ پہ تھا رخش پہ تھے گو کہ حضور

ہوئے بیدار تو کچھ اور خیال آنے لگے
یاس میں کلمۂ ترجیع یہ فرمانے لگے

علی اکبر کے سوا اور تھی یہ کس کی مجال
حجتِ حق سے جو اس وقت میں کچھ پوچھتا حال
شہ نے اس وقت کیا فرمایا سُنا جب سوال
اس سفر میں ہے اجل ساتھ یہ آیا تھا خیال

کہا فرزند نے کچھ آپ کہیں گے کہ نہیں
کہا یہ کہیئے کہ ہم حق پہ رہیں گے کہ نہیں

کہا ہر طرح سے تم حق پہ ہو اے نیک خصال
کہا پھر کہیئے قضا آگے چلے کیا ہے ملال
موت اور ہم کو ڈرائے نہیں اس کی یہ مجال
کہیں دبتے ہیں کسی سے اسد اللہ کے لال

صبح عاشور کوئی چیز نہ بھائی ان کو!
نام ہے جس کا اجل بنیاد وہ آئی اُن کو

علی اکبر کا ہے یہ حال کہ مضطر ہیں کمال
مانع عرض ہے پر رعب شہ نیک خصال
غم میں بھائی کے دل شاہ کا ہے غیر حال
پئے رخصت کہیں اکبر یہ نہیں ان کی مجال

دل سے افسانۂ اندوہ کو کہہ جاتے ہیں
رُخِ سرور کو ابھی دیکھ کے رہ جاتے ہیں

شہ سے کہتے ہیں تعجب کا ہے بابا یہ مقام
نہ کرے صبر مجھے کون امام ابن امام
آپ کو مرضی خلاق دو عالم سے ہے کام
جان آ جائے اگر شہ پہ تصدق ہو غلام

یوں تو فرزند ہوں صابر کا نہ گھبراؤں گا
تر پسینے میں ہوں جنت کی ہوا کھاؤں گا

حال کس سے کہوں عمو سا دلاور بھی نہیں　　لائقِ مدح جو ہوں مجھ میں وہ جوہر بھی نہیں
میں کسی طرح سے عباس سے بہتر بھی نہیں　　وہ تو وہ ان کے غلاموں کے برابر بھی نہیں

جس کی کوئی بھی حقیقت نہیں وہ ادنیٰ ہوں
جب کیا آپ نے ہمسران کو تو پھر میں کیا ہوں

قتل جو ہو گئے وہ لوگ تھے ہاں قابلِ غم　　یوں بھی تو کم نہ ہوا کچھ یورشِ اہلِ ستم
جو ہر ایک شیر بھی ہوا ہو نہ اگر چشم بھی نم　　رنج عمو کا مرے غم سے زیادہ ہے کہ کم

شہ نے فرمایا کہ پھر جانِ حزیں کھوئیں گے
اس ضعیفی میں جواں لال کو بھی روئیں گے

تم کو یہ جوش کہ اس فوج سے ڈرنا کیا ہے　　خلعتِ سرخ ہے اک خون میں بھرنا کیا ہے
تکمیل اک یہ بھی ہے دنیا سے گزرنا کیا ہے　　تم سمجھتے ہو جوانی ہے تو مرنا کیا ہے

پوچھے تکلیفِ اجل کوئی جواں کے دل سے
دم بھی تیغ کھینچ کے نکلتا ہے بڑی مشکل سے

خیر جو دل میں ہے کچھ ہوش میں آ لیں تو کہیں　　پھر دوبارہ بھی کلیجے سے لگا لیں تو کہیں
آپ میدانِ بلاخیز میں جا لیں تو کہیں　　اپنی حالت کو ذرا لاش اٹھا لیں تو کہیں

دل کی پژمردہ کلی اب نہیں کھلنے کے لیے
ہم نے پالا تھا تمہیں خاک میں ملنے کے لیے

میری مرضی کو بھی اللہ کی طاعت سمجھو　　سب کا دل رکھنے کو بھی اجرِ شہادت سمجھو
دلِ بیتاب کی اک اک کی حقیقت سمجھو　　دے دیں زینب جو اجازت تو غنیمت سمجھو

شدتِ دردِ دل و دردِ جگر دیکھ تو لیں
گھر میں ہو آؤ کہ سب ایک نظر دیکھ تو لیں

اشک آنکھوں میں لیے جو امامِ شبیر کے پھر آئے
پاس روتے ہوئے کس درد سے سرور آئے
گھر میں بھی بعد اجازت علی اکبرؑ آئے
سب سے پہلے یہ سوئے زینبؑ مضطر آئے
رعب یہ تھا کہ نگہ نیچی تھی منہ موڑے تھے
عرض کی تاب نہ تھی دستِ ادب جوڑے تھے

ماں سے کی عرض کہ اماں نہیں رخصت ملی
شہ سے مر جانے کی خادم کو اجازت نہ ملی
گھر میں آنے کی بھی تقدیر سے فرصت نہ ملی
سب کو تو مل گئی ہم کو رہِ جنت نہ ملی
اب کوئی کام نہیں گھر ہی تو بس کام یہ ہے
ہم گلا کاٹ کے مر جائیں گے انجام یہ ہے

چھپ کے بیٹھے کسی گوشے میں یہی ہے آہنگ
دل کا کچھ اور ہی انداز یہاں اور ہی رنگ
ولولہ اب ہے لڑائی کا نہ میداں کی امنگ
کہا بانو نے کہ پھر کیوں نہیں جاتے بیٹے جنگ
کارگر آج نہ تدبیر نہ تقدیر ہوئی
کیوں نہ میں رو دوں کہ لاش آنے میں تاخیر ہوئی

سب کی جو مالکہ مختار ہیں تو ان سے رضا
حق کسی کا نہیں یہ حضرتِ زینبؑ کے سوا
واسطہ حق شہِ دیں کا جو اکبر نے دیا
رو کے زینبؑ نے کہا خیر سدھارو بیٹا
اک بہانہ ہوا منہ آنسوؤں سے دھونے لگیں
تھام کر گوشۂ داماں قبا رونے لگیں

غل جو رونے کا اٹھا چونک پڑے تھا بیمار
سوئے اکبر چلے بستر سے تڑپ کر اک بار
دو قدم راہ کا چلنا بھی ہوا تھا دشوار
پاس آکر کہا اکبر سے کہ بھائی ہو نثار
خلد کے شوق کی یہ حد ہے کہ منہ موڑ چلے
تازیانوں کے لئے تم بھی ہمیں چھوڑ چلے

تاب دل کو نہ رہی رو دیے خود آخر کار دور سے اکبر جو لگے ملنے تو یہ کی گفتار
زندگی فرط غم و رنج سے اب ہے بیکار استخواں جل کے بتاتے ہیں کہ اتنا ہی بچا

یہ قدم ہائے نہیں سوئے جناں اٹھتا ہے
دل میں وہ آگ لگی ہے کہ دھواں اٹھتا ہے

کہا اکبر نے گلے سے تو ملوں گا میں ضرور قابل غور کہیں ہوتے ہیں آپس کے امور
کہا بہتر ہے نہ سینہ رہے اس سینہ سے دور کہا اکبر نے کہ یہ بات نہ فرمائیں حضور

تن بیجاں میں اسی ملنے سے جاں آئے گی
دل کی ٹھنڈک سے مری پیاس بھی بجھ جائے گی

ہاں مگر آخری ہے ایک وصیت بھائی پائنتی قبر نہ دیں کے ہو تربت بھائی
کم کسی وقت میں کب ہوگی محبت بھائی یاد رکھیے گا مری پیاس کی شدت بھائی

ہو میسر کبھی پانی تو اسے بھیجے گا
کچھ نہ بھیجے گا تو لحد پہ وہ چھڑک دیجے گا

باہیں ڈالیں جو گلے میں تو ہوا جوش بکا علی اکبرؑ سے کہا کھول دو اب بند قبا
مجھ کو اس سینہ سے اک کام ہے میں تم پہ فدا! منھ کو جب مل چکے دو بار تو یہ رو کے کہا

آڑ میں ڈھال کی ہر وقت چھپائے رہنا
بھائی اس سینے کو برچھی سے بچائے رہنا

مرض و غم جو بڑھے غیر ہوا دونوں کا حال قابل غور نہیں ہے وہ جواب اور وہ سوال
علی اکبرؑ نے بہت کی عرض بصد رنج و ملال بوسے شانوں کے بھی لے لوں یہ تمنا ہے کمال

خیر حافظ ہے خدا آپ جہاں ہوں بھائی
کیا عجب گر یہیں رتی کے نشاں ہوں بھائی

اس قدر روئے کہ عابدؑ کا عجب حال ہوا   منہ سے دو بار خدا حافظ و ناصر تو کہا
علی اکبر کا کوئی روکنے والا نہ رہا   غش نے بیمار کے دیدی انھیں مرنے کی رضا

ذکر رخصت کا بھی کچھ چھیڑ کے پچھتائے یہ
خیمہ شاہ سے گھبرا کے نکل آئے یہ

عرض کی خدمت حضرت میں کہ اے نور خدا   مل گئی آپکے اقبال سے مرنے کی رضا
اب کسی قسم کی تاخیر نہیں ہے زیبا   شہ نے فرمایا کہ کیا بس ہے سدھارو بیٹا

رک گئی چل کے ہوا تیز نفس آ پہونچا
یوں مژہ کو ہوئی جنبش کہ فرس آ پہونچا

رخش آیا جو بصد سطوت و توقیر و وقار   راکب دوش نبیؐ کا ہوا فرزند سوار
ہو گیا اور کنوتی کو بدل کر رہوار   حسن کی شاخ میں دو کونپلیں پھوٹیں اکبار

دل کو کرتے ہیں خبر بے خبری کے جھونکے
تھے نفس یا کہ نسیم سحری کے جھونکے

دو قدم چل کے ذرا تھم گیا ان کا رہوار   کہا عمو کے غم ہجر سے سینہ ہے فگار
وہ کٹے ہاتھ کدھر ہیں کہ نہیں دل کو قرار   دیدیئے شہ نے جو وہ ہاتھ تو رویا جرار

آہ تاثیر میں ڈوبی ہوئی اک بھر کے چلے
اپنی تلوار کو ان ہاتھوں سے مس کر کے چلے

گرد کہتی ہے کہ لڑنے میں نہیں ہے کوئی دیر   ایک مدت سے طبیعت ہوئی جینے سے بھی سیر
کھنچ کے اب دخل قسمت ہوا ہے راہ کا پھیر   اسد اللہ کا پوتا ہے یہ ہے شیروں کا شیر

نعمت زیست کو ہر ایک جری ترسے گا
آج تلوار کے پانی سے لہو برسے گا

رخش پر جلوہ فگن آپ ہیں مثلِ حیدر خود بخود آج کھلا جاتا ہے بابِ خیبر
ڈر بڑھا ہے کہ ہٹا جاتا ہے پیچھے لشکر سُرخ چہرہ ہے شجاعت کا ہے اک یہ بھی اثر

جھک کے اب سیر کرے چرخ کہن ماتھے کی
خون کی ڈوبی چھُری ہے کہ شکن ماتھے کی

رخش شرما کے نہ دکھلائے پری کی رفتار ایک کو بھائے نہ قدِ جگری کی رفتار
ٹھوکریں کھائے ابھی کبکِ دری کی رفتار سرد ہو جائے نسیم سحری کی رفتار

ہے یہ دلسوز کہ بجلی کبھی تڑپا کے چلے
آگ لگ جائے زمانے میں جو گرما کے چلے

ہر بلا آئی ہوئی کہتی ہے ٹالو مجھکو دلِ بیتاب کی خواہش کہ سنبھالو مجھ کو
موت کا ہے یہ اشارہ کہ بلا لو مجھکو خون کہتا ہے رگوں سے کہ نکالو مجھ کو

دل میں پارے کے تمنا ہے کہ جلدی کھو جاؤں
درد دل کروٹیں لیتا ہے کہ رخصت ہو جاؤں

بال اڑنے میں بنی زلف گرہ گیر فرس چینِ پیشانیٔ راکب ہے کہ زنجیرِ فرس
آگے تقدیر کے چلنے لگی تاثیرِ فرس برقِ تابندہ ہے یا کوکبِ تقدیر فرس

روشنی چہرۂ روشن کی یہ نورانی ہے
خطِ تقدیر کے پڑھ لینے میں آسانی ہے

اہلِ عالم سے ہے وصل اہلِ فلک سے ہے فراق کیوں نہ اُن سب کے دلوں پر غم دوری ہو شاق
کون تھا وہ جو نہ تھا چال کا اُسکی مشتاق یہ ہیں تصویرِ نبیؐ رخش ہے تصویرِ براق

راہ کے پھیر کا ہو ذکر یہ منظور نہیں!
اب خدا انکو یہیں لے جائے تو کچھ دور نہیں

غل یہ لشکر میں اٹھا ہے کہ نہیں جائے قرار — پھر کے دیکھو نہ ادھر اور بھگاؤ رہوار
دل کے مانند لرز جائے گا خیبر کا حصار — بعد مدت کے قیامت کی چلے گی تلوار
یہ پسینے سے کھنچا اور نہ پانی سے کھنچا
جلوۂ خونِ علیؑ اس کی جوانی سے کھنچا

شیر نے شیر کا پایا ہے صف ہیجا سے خطاب — کربلا والوں میں مشہور انھیں کا ہے شباب
شب معراج کا ایسا ہے یہ ظاہر کا حجاب — سب پیمبر ابھی کہتے ہیں الٹ دیں جو نقاب
چشم و ابرو میں نہ فرق اور نہ کمی دیکھتے ہیں
آسماں والے بھی تصویرِ نبیؐ دیکھتے ہیں

اس میں کیا شک کہ اصالت میں یہ تلوار ہے خوب — سر جھکانے کا پسند آ گیا اسکو اسلوب
دیکھ کر اسکی چمک حد کا ہوا ہے محجوب — مہر کیونکر نہ ہو اک قطرۂ خوں بن کے غروب
گردشیں کرنے میں عمر اس کی بسر ہوتی ہے
شام مغرب میں تو مشرق میں سحر ہوتی ہے

ایک کو ایک کی ہر طرح سے لازم ہے خبر — دو طرف ایک سا ہوتا ہے محبت کا اثر
میان سے تیغ اسی شوق میں نکلی باہر — کہ پڑے میری بھی حسن علی اکبر پہ نظر
کچھ عجب شان سے وہ صاعقہ کردار کھنچی
یوں شکن پڑ گئی ماتھے پہ کہ تلوار کھنچی

موت کا کھنچ گیا نقشہ جو چلی تیغ دو دم — کٹ کے گرنے لگے ہاتھ اس سے کبھی سر قلم
اس میں الٹی ہے صفت غیظ سوا رحم ہے کم — دم نہ لے اس کو شباب علی اکبر کی قسم
جان سے لینے کا یہ پا کے محل کھنچتی ہے
اسی آئینے سے تصویرِ اجل کھنچتی ہے

کر چکی سب کے مکانوں کی تباہی تلوار
فخر ہو پائیں اگر ایسی سپاہی تلوار

کیوں نہ دے رنگ بدلنے پہ گواہی تلوار
سرخ ہوتی ہے کبھی اور کبھی کاہی تلوار

لے کے پہلوئے حقیقت کو نشانہ بدلا
رنگ لوہے کا یہ بدلا کہ زمانہ بدلا

حسرتیں نکلیں ہیا خود چھوڑ کے غمخانۂ دل
اب تو ویران رہے گا یوہیں کاشانۂ دل

خاک میں مل گئی سب ہمت مردانۂ دل
اپنے سناٹے کو دکھلاتا ہے ویرانۂ دل

ہو چکا دل کا لہو روح خبر پانے لگی!
اب تو انگڑائیوں میں خون کی بو آنے لگی!

تفرقہ دیکھئے تو تن ہے الگ سر ہے الگ
روحیں مدت سے مکیں جن میں تھیں وہ گھر ہیں الگ

خون جو دل کا کئے دیتے ہیں وہ ڈر ہیں الگ
تفرقہ دیکھئے تو تیر الگ پر ہیں الگ

سب اداؤں میں ادا ہوش ربا کون سی ہے
جس میں پر اڑتے تھے آمردہ ہوا کون سی ہے

تیغ کو آگ لگانے کے سوا کام نہیں
بے ستائے کسی دل کے اسے آرام نہیں

اب جلا کر بھی کرے خاک تو الزام نہیں
زخم دل سیکڑوں باتوں میں کوئی نام نہیں

ناز سے کہتی ہے انجام بتا دوں گی تمھیں
سو رہو آج قیامت میں جگا دوں گی تمھیں

چھوڑ کر پہلوئے گل باغ کی بو کیا ٹھہرے
ڈرے ہر ایک دل عربدہ جو کیا ٹھہرے

بھاگنے کی جسے رسوائی ہو خو کیا ٹھہرے
تن بسمل کو جو چھوڑے وہ لہو کیا ٹھہرے

پیدلوں کی صفیں جب آگے وہ قطاریں بھاگیں
چھوڑ کر زخمیوں کو خون کی دھاریں بھاگیں

روشنی آنکھوں میں رہ جائے بہت ہی دشوار گرد ہی شیشۂ ساعت کی کہ عالم کا غبار
دشت ڈھالوں کی سیاہی سے بنا ہے شب تار راہ گرنے کی نہ بجلی کو بھی سوجھی زنہار

برق ہے وہ سوز محبت کی بنا کر آئی
رات اندھیری تھی تو مشعل کو جلا کر آئی

ہاں کدھر تو ہے طبیعت ہے مکدر ساقی مئے دو آتشہ دے جام ہما بھر کر ساقی
تجھ سے خوبی میں نہیں کوئی بھی بہتر ساقی اے زہے رتبہ کہ ہم شان پیمبر ساقی

خلد ملتا نہیں جس کو اسے کیا ملتا ہے
تجھ سے ملنے پہ سنا ہے کہ خدا ملتا ہے

میکدے میں بھی تکلف نہیں کم گھر کی طرح غنچۂ دل بھی شگفتہ ہو گل تر کی طرح
مست کی چشم بھی گردش میں ہے ساغر کی طرح نشہ بھی گھٹ کے بڑھا جاتا ہے کوثر کی طرح

سرخ شیشہ ہے کوئی اور کوئی دھانی ہے
کیا دو رنگی ہے کہیں آگ کہیں پانی ہے

کوئی چرچا نہیں کچھ نام نہیں دھوم نہیں دفتر میکدہ میں نام بھی مرقوم نہیں
جیسے میکش کی کسی بات کا مفہوم نہیں ابھی پینے کا طریقہ مجھے معلوم نہیں

حرف آتا ہے کسی مست کے افسانے پر
کیوں نہ جلدی کیا میں اک بوجھ ہے پیمانے پر

ہٹتے ہی دامن ساقی سے وہ خم کا ساغر دو طلب آج کا اک ایک ہو کل کا ساغر
پھول سی شے ہو تو کیونکر نہ ہو ہاتھ کا ساغر وہ گرے اشک مرے دیکھ وہ چھلکا ساغر

کیا میں کوسوں کہ نہ مرتی ہے نہ یہ جلتی ہے
میرے حصے کی جو مے ہے وہ زمیں پیتی ہے

داغ سجدہ میں تو ہے دل کا بھرنا دشوار اب فلک پر بھی پہنچتا ہے دماغ میخوار
تھا نہ جگنوں کا شمار اور نہ ان سب کا شمار شب کے پردے ہی میں یا ہاتھ آگئے جگنو دو چار

بند کر لیتا ہوں مٹھی کو بہت پیار سے میں
یہ بتا دو کہ مرے ہاتھ میں کے تارے ہیں

سب کو کیا کیا نہیں مل جاتا ہے تیرے در سے حد بھی ہوتی ہے کہاں تک کوئی آخر ترسے
پھر گھٹا اٹھتی ہے محروم نہ رکھ ساغر سے چاہتا ہوں کہ یہی ابر ہمیشہ برسے

پانی برسے تو ہوں سرسبز چمن کے کانٹے
دل میں ایسا نہ ہو چبھ جائیں دہن کے کانٹے

جس کو مانے ہیں سلاطین وہ ایسے شان ملے اب تو ہر لحظہ ملے اور مجھے ہر آن ملے
راستے میں کوئی منزل نہ پریشان ملے پھر دوبارہ تنِ مُردہ کو مرے جان ملے

اس کو مے دیتا ہے یہ جس کو خدا دیتا ہے
یہی ساقی مرا مُردوں کو جلا دیتا ہے

کس کی قوت تھی کہ پیمانوں میں دریا رہے بند آسماں سے بھی زیادہ ہے مکاں کس کا بلند
ڈوب کر مہر پھرا اس سے کہ تھا حاجت مند کس کا گھر آگیا ٹھہرے ہوئے تارے کو پسند

ہے مزا اور اگر یہ سحر و شام ملیں
مجھ کو بھی آج چھلکتے ہوئے دو جام ملیں

اے نصیری کے خدا جلد بنا دے مرے کام تیرے فرزند کے مداح نہیں میرا بھی ہو نام
میں تڑپ کر یہی کہتا ہوں کہ ہونے کو ہے شام میں نے مانا کہ گرانقدر بھی بھاری بھی ہے جام

شوق بڑھنے لگا وردِ دلِ مضطر کی طرح
جام ہے جام اٹھا لے درِ خیبر کی طرح

کوئی بگڑے کہ بنے اس سے بھی ہم کو نہیں کام — نشہ میں رہ کے بھی اچھا ہی ہمارا انجام
انگلیاں پانچ ہیں اور ایک ہتھیلی ہے یہ جام — پنجتن کی نہ محبت ہو تو پینا ہی حرام

اسی ساقی کو نہ جانے کہ یہ کیا کہتے ہیں
نشہ جن کا نہیں اُترا وہ خدا کہتے ہیں

کوئی الزام کسی کو نہ دیا تھا میں نے — امتحاں دل کی محبت کا لیا تھا میں نے
چھپ کے اُلفت کا نہیں جام پیا تھا میں نے — درِ خیبر کا ابھی نام لیا تھا میں نے

کیوں نہ دہشت ہو جو شیر صفِ ہیجا پہونچے
آستینوں کو چڑھا کر وہ علیؑ آ پہونچے!

گھر میں خالق کے اذاں کس نے دی حیدرؑ کی طرح — گھر یہ مسجد کے بھی قبضہ رہا خیبر کی طرح
آنکھیں کعبہ بھی بچھائے رہا بستر کی طرح — باپ کا ان کے یہ دریا بھی ہے کوثر کی طرح

حق کسی اور طرف ہے یہ نہیں دھو کا ہے
یہ وہی آب رواں ہے کہ جسے رد کا ہے

جنگ عباسؑ میں تھا باڑھ پہ خوں کا دریا — تو یہ وہ جنگ تھی کم یہ نہیں مطلب میرا
پانی لینا تھا انھیں آئے ہیں یہ بہر وغا — وہ کمر تک تھا یہ سینے سے ہے دریا اونچا

اب تلک فرق نہیں زور میں طغیانی میں
غرق ہیں مچھلیاں بازو کی اسی پانی میں

غل یہ برپا ہے کہ اصغرؑ کو نہ کیوں ہوش آئے — سب یونہیں دیکھنے کو لے کے تن توش آئے
ساکن شہر خموشاں تھے کہ خاموش آئے — کیا ہو اس خون کے دریا میں اگر جوش آئے

کوئی ٹیکا تھا کمر سے جو لپیٹا نہ گیا
ایک دامن بھی شفق سے تو سمیٹا نہ گیا

خوں کو رگ رگ میں چھپا دیتا ہے بڑھتا ہوا ڈر دل جو غافل ہو تو کہتا بھی نہیں ہائے جگر
تفرقہ یہ ہے کہ ہیں پاؤں کہیں اور کہیں سر ہیں تو دو ہاتھ مگر ایک ادھر ایک ادھر
بے فراغت رہیں اس کا بھی زمانہ نہ رہا
دشت میں روحوں کے رہنے کا ٹھکانا نہ رہا

رن میں کیا تیغ تھی جو لاکھوں کے سر کاٹ گئی لے چلی سیر عدم کو جو کمر کاٹ گئی
جب پھری آنکھ میں پتلی کی سپر کاٹ گئی حد سے کچھ بڑھنے میں جبریل کے پر کاٹ گئی
چل کے صحرا کے گڑھے پاٹ چکی ہے تلوار
سن کے اٹھارہ برس کاٹ چکی ہے تلوار

شاہ دیں بڑھ کے یہ کہتے ہیں کہ سن لو دلبر یوں لڑے پیاس میں تم جیسے لڑے تھے حیدرؑ
اُمتِ جد ہے یہ کیا تم کو نہیں اس کی خبر اب شہادت کے بھی دکھلا دو سبھوں کو جوہر
رحم لازم ہے مصیبت کے گرفتاروں پہ
رہ گیا ان کا لہو آج سے تلواروں پر

مطمئن کیوں نہ ہو انجام سے قلبِ ناشاد شکر صد شکر کہ ہر طرح سے بر آئی مراد
بعد عباس کے رہ جائے گی یہ جنگ بھی یاد وہ علیؑ کی تھی لڑائی یہ پیمبرؐ کا جہاد
دامنِ اہلِ جہاں آنسوؤں سے نم بھی نہ تھا
تم مشابہ تھے نبیؐ سے یہ شرف کم بھی نہ تھا

سن کے یہ شاد ہوا قلبِ حزین و مضطر تن کے خود اپنی جوانی پہ کی صفدر نے نظر
میان میں تیغ رکھی حال جو تھا نوعِ دگر جھک کے تسلیم بجا لائے تو روئے سرورؑ
جتنی جلدی میں بنیں اتنی دعائیں لے لیں
پسِ پردہ سے ادھر ماں نے بلائیں لے لیں

دیر تک یہ جو رہے دھوپ میں سرگرم وغا — ہاتھ سے باگ چھٹی درد کلیجے میں ہوا!
ہوتی ہے فصل جوانی میں عطش اور سوا — مختصر تو ہے یہی ضعف بڑھا زور گھٹا

نہ شقاوت نہ کسی بے ادبی نے مارا
ان کو مارا تو فقط تشنہ لبی نے مارا

لڑتے لڑتے یہ گئے پیش شہنشاہ زمن — تر پسینے میں گریباں کی طرح تھے دامن
وہ تمازت وہ شباب اور وہ دھوپ اور وہ بن — گرم لوہا تھا زرہ کا کہ جلا جاتا تھا تن

کئی بار اب تو دم تشنہ دہانی مانگا
آپ رونے لگے اکبر نے جو پانی مانگا

کہا حضرت نے کہ صدقے تری جرأت کے پدر — زور کچھ بھی نہیں ہر طرح ہے مجبور بشر
جاؤ پھر جنگ کو تدبیر یہی ہے بہتر — پھنک رہا ہے علی اصغر کا بھی ننھا سا جگر

دیکھا جاتا نہیں بچوں کا بلکنا بیٹا
جو بچے اُس سے زرہ پر وہ چھڑکنا بیٹا

حسب ارشاد پدر رن میں گیا پھر صفدر — برچھیاں پڑنے سے مجروح ہوئے قلب و جگر
گرد تلواریں لیے آ گئے تھے بانی شر — کیا کرے کیا نہ کرے ایک غریب مضطر

کھائی دنیا کی ہوا اور کو ایذا دے کر
گر سناں سینے سے نکلی تو کلیجا لے کر

پیاس میں سامنے کی بھی آ مد و شد اب ہے محال — برچھیاں پڑ جانے سے اب غیر ہوا شیر کا حال
اُس طرف ہو گئے آگاہ شہ نیک خصال — یہ بھی کہتے تھے کہ اب آ گیا آنکھوں زوال

کوئی کیا جانے کہ ارمان بھی دل ہی میں رہا ہے
ٹھوکریں کھائیں گے مقتل میں کہ ہم تنہا ہیں

نہ ٹھہرنے کا فرس پر بھی رہا جب چارا
گر پڑا عرش الٰہی کا زمیں پر تارا

موت آجائے جوان کی تو نہیں کچھ چارا
باپ کا قلب شکستہ ہوا پارہ پارا

ایسی تصویر کسی وقت کی بے چین نہ تھی
میں نہیں کہتا ہوں دل پاؤں میں نعلین نہ تھی

رو کے فرماتے تھے بیٹا نہ کوئی بھائی ہے
نہ بصارت ہے نہ اب دل میں توانائی ہے

برچھیاں سینہ پہ مرے لال کہاں کھائی ہے
بیکسی روتی ہے خود جس پہ وہ تنہائی ہے

کیا کریں کچھ نہیں آنکھوں سے نظر آتا ہے
علی اکبر ترے لاشے پہ پدر آتا ہے

لاش فرزند پہ پہونچے ہیں شہ جن و بشر
پوچھا بیٹے سے کہ کیا حال ہے اے نور نظر

نہیں معلوم کہ کیا بن گئی شہ کے دل پر
علی اکبرؑ نے کہا تھا کہ ہوں میں تشنہ جگر

ہے یہ حسرت کہ دم تشنہ دہانی دیجے
مجھ کو مشکیزہ عباسؑ کا پانی دیجے

ننگے سر حضرت زینبؑ نکل آئی ہیں اُدھر
کہتی ہیں کون سی بدلی میں چھپا ہے وہ قمر

میں مر جاؤں گی اب پیٹ کے میں سینہ و سر
میرے اٹھارہ برس والے کی ہے لاش کدھر

شاہ کچھ زیر لب آہستہ دعا پڑھتے ہیں
کانپتے ہاتھ سناں کھینچنے کو بڑھتے ہیں!

رو کے کہتے ہیں کہ اب کیا کرے غربت میں پدر
پیارے دنیا سے سدھارے سوئے جنت اکبر

اب زباں روک لے حجابیہ یہی ہے بہتر
کر دعا حق سے کہ مجبور رہے ہر طرح بشر

کیا کوئی اور ہے جو اس کے سوا رحم کرے
مجھ پہ اکبر کے تصدق میں خدا رحم کرے

۷۸۶

حیات حسین

نقاب اُلٹ کے سامنے آتے بھی ہیں حسین کہیں دکھائی دیتے ہیں اگر کبھی کبھی کہیں کہیں

علم اور جہل دو متضاد چیزیں ہیں۔ علم کی نفضیلت۔ اس کا بیان کرنا تحصیل حاصل ہی ہر کس و ناکس مدح و ثنائے علم میں رطب اللساں ہی۔ علم ہی وہ جوہر ہی جو صرف کرنے سے یقیناً بڑھتا ہی رہتا ہی۔ انسان بحیثیت انسانیت سب یکساں ہیں۔ صرف کمال علم ہی وہ نمایاں فضیلت ہی جس کی وجہ سے انسانیت کو چار چاند لگ جاتے ہیں۔ اس کی وجہ سے انسان اپنے ہمعصر، ہم خیال۔ ہم مشرب انسانوں کی صف سے آگے نظر آتا ہی۔

برخلاف اس کے جہل ایک ایسی مہ بلا ہی۔ جس کے نام سے دنیائے انسانیت کانوں پر ہاتھ رکھتی ہی انسان کو انسانیت کے بلند مرتبے سے پست کر دینے والی چیز بھی جہل ہی۔ لیکن اگر قدرت کسی ایسے انسان کو جس نے کبھی علم کی صورت پہچانہ دیکھی ہو (الف) اور (بے) کے قدو قامت و شکل و شمائل سے ناآشنار محض ہو۔ عالم کے دوش بدوش صاحب کمال کے پہلو بہ پہلو دیکھنا چاہتی ہی تو باوجود جہل۔ کسی کو قوت حافظہ ایسی جو غیر معمولی کہے جانے کے قابل ہو کسی کو قوت بیان جو دور حاضر کے مقررین میں نمایاں حیثیت رکھتی ہو۔ کسی کو خوش گوئی۔ جو معصر شعرا میں طرہ امتیازی حاصل کرلے۔ عطا کر کے انسانیت کے اس بلند مرتبے پر پہونچا دیتی ہی جہاں بڑے بڑے مقرر بڑے بڑے شاعر نازک خیال کا طائر خیال اپنی رسائی کو معراج کمال تصور کرتا ہی۔

قدرت کا منظور نظر غیر معمولی انسان۔ لکھنؤ کی سرزمین پر ایک ایسا باکمال گزرا ہی۔ جس کا نام سید صادق علی عرف جھنگا صاحب تھا۔ تخلص حسین۔

یہ بزرگ خاندان اجتہاد کی ایک فرد تھے مگر بالکل اَن پڑھ نہ لکھنا جانتے تھے نہ

پڑھنا۔ دوسروں سے اپنا مرثیہ لکھواتے تھے اور منبر پہ دوسرے کی مدد سے پڑھتے تھے جس کے دیکھنے والے ابھی لکھنؤ میں زندہ ہیں اور مرثیہ لکھنے والے جناب حکیم سید محمد عباس صاحب سابق منیجر معدن الادویہ جو آجکل حیدرآباد میں مقیم ہیں۔ ماشاءاللہ بقید حیات ہیں۔

یہ ضرور ہی کہ مرثیے کم کہے مگر جو کچھ کہا ایسا کہا کہ بڑے بڑے خوش گویان لکھنؤ سے دہشت کھاتے رہتے جو مرثیہ پیش کیا گیا ہے اس میں موصوف نے نہایت برمحل جاڑہ وہ بھی بہار کے ساتھ نظم فرمایا ہے۔ تبصرہ کی خاص ضرورت نہیں۔ اس لیے کہ فیصلہ اہل نظر خود کر لیتے ہیں۔ صرف اس قدر کہنے کو جی چاہتا ہے کہ انجمن محافظ اردو اپنے صدر حضرت مہذب پر جس قدر بھی ناز کرے وہ کم ہے اس لیے کہ اہل ذوق نے آج تک دنیا کی چیزیں دیکھی اور سنی ہوں گی مگر مرثیے میں جاڑہ نظماً نہ دیکھا ہوگا۔ یہ بھی منتہا ہے جس نے جاڑے کے متعلق ایسی بلند پروازی کی ہے اور وہ وہ نازک خیالات جمع کئے ہیں جن کی داد کما حقہ دی ہی نہیں جا سکتی۔ آج صدر انجمن کی جانفشانیوں اور شبانہ روز کی محنتوں کے نتیجہ کی شکل میں انجمن مذکورہ وہ مرثیہ پیش کر رہی ہے جو حسین کے کمالات کا آئینہ ہے۔

یہ مرثیہ سرسی ضلع مرادآباد کے ایک ہونہار سید ہاشم رضا صاحب قمر سلمہ اللہ سے حاصل ہوا ہے جو صرف حضرت مہذب ہی حاصل کر سکتے تھے۔ انجمن مذکور مرثیہ دینے والے اور حاصل کرنے والے دونوں کا شکریہ ادا کرتی ہے۔

مزید حالات موصوف آٹھویں قسط (اذکار محن) میں جمع کئے گئے ہیں۔ موصوف مرحوم نے سنہ ۱۹۴۰ء میں ۷۰ سال کی عمر میں دنیا سے انتقال فرمایا اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے امام باڑہ غفرانمآب کی سرزمین کو آباد کیا۔ صحن میں دفن کیے گئے۔

(اہل نظر)

پیش نظر جلد کے اس مرثیہ کا ایک ایک مصرع بغور پڑھیے اور لطف اٹھائیے اور انجمن محافظ اردو کے ممبر بنیئے اور بنوائیے ......

(ادارہ)

۷۸۶

مرثیہ

موسم سرما میں سفر جناب سید الشہداء

(اور)

شہادت جناب علی اصغرؑ

(بند ۵۳)

روضۂ احمد مرسل کا ثنا خواں ہوں میں — یعنی قبر شہ لولاک پہ قرباں ہوں میں
اپنی قسمت پہ نہ کس طرح سے نازاں ہوں میں — ہر گھڑی چشم تصور سے نگہباں ہوں میں

فکر سے پاس ہے گرد در کلس اس کا ہے
نور میں برق سر طور کلس اس کا ہے

اس کے گنبد کا نہیں گنبد گردوں بھی جواب — اور حباب یوں کہ خجل جس سے ہے دریا کا حباب
رنگ وہ سبز ہے سبزہ کو بھی ہے جس سے حجاب — اس پہ پوشش ہے کہ ہے چہرۂ یوسف پہ نقاب

دیکھ عالم نہ ہو کس طرح سے شیدا اس کا
خیرگی کرتی ہیں آنکھیں وہ ہے جلوا اس کا

طور سینا کا کہوں کیسے اس کو اگر ہم پایا — عرش سے اس کا کسی طرح نہیں کم پایا
زلزلے سے نہ ہو جنبش وہ ہی محکم پایا — نور اس نے صفت نیر اعظم پایا

پست ہو کوہ بھی گر اس کے قریں آ جائے
مہر بھی دب کے نہ گر جائے تو ٹکرا جائے

صحن یوں صاف ہر اک جس میں کہ چہرہ دیکھے | چشم حق بیں ہو تو قدرت کا تماشا دیکھے
آنکھ گر کور نہ ہو، مہر کا جلوا دیکھے | یعنی ہر ذرے میں یاں، برق تجلا دیکھے

فرش سے عرش تلک اس کی ضیا پھیلی ہے
چاندنی اس کے مقابل میں بہت میلی ہے

کیوں نہ اس روضۂ اقدس پہ ہو دل سب کا فدا | پانچ مینار شہادت کے لیے ہیں بخدا
دور سے دیکھنے والوں کو یہ چلتا ہے پتا | پنجتن میں جو ہے اوّل یہ ہے اس کا روضا

راست جو بات ہے سب سے وہی بس کہتا ہے
ان کو معراج ہوئی ہے یہ کلس کہتا ہے

خیر یاں تک تو ہوا روضۂ اقدس کا بیاں | اب میں اس شہر کا رتبہ بھی کروں سب پہ عیاں
یہ وہ خطہ ہے کہ ہے معدنِ اسلام جہاں | یعنی رہتے تھے اسی جا یہ رسولؐ ذیشاں

سب یہیں دیکھنے آتے تھے نبیؐ کا جلوہ
یاں سے پھیلا تھا رسولِ عربی کا جلوہ

ہے یہاں ایک محلہ جو بنی ہاشم کا | آج تک دید کے قابل ہے اسی جا کی فضا
جلوہ افگن ہے وہاں قصرِ رسولؐ دوسرا | اب وہاں رہتی ہے اولادِ علیؑ اعلیٰ

گھر میں احمدؐ کے ہے سرکار حسین ابن علیؑ
اب وہیں ہوتا ہے دربار حسین ابن علیؑ

زینتِ مسند محبوب خدا ہیں شبیرؑ | اس زمانے میں بس اک عقدہ کشا ہیں شبیرؑ
نور عین اسد ربِّ علیٰ ہیں شبیرؑ | اور دلبند رسول دوسرا ہیں شبیرؑ

ان سا مرشد نہیں اب راہ بتانے والا
دین اسلام کی کشتی کا بچانے والا

گھر ہی آباد کہ فرزند بھی ہی دختر بھی
بھانجے بھی ہیں بھتیجے بھی ہیں اور خواہر بھی
دوست بھی مونس و ہمدم بھی ہیں اور یاور بھی
تاج بھی آپ کا ہو تخت بھی اور لشکر بھی

دیں کے رہبر ہیں ادب شہ کا سبھی کرتے ہیں
سلطنت مثل رسولؐ عربی کرتے ہیں!

حل عقدہ کشا۔ امت احمد کے شفیق
عدل میں مثل علیؑ۔ مثلِ محمدؐ کے خلیق
طرز تقریر وہ پتھر کا ہو دل جس سے رقیق
اور مظلوم بھی ایسے کہ ترس کھائیں فریق

سخت سے سخت ہو تکلیف تو یہ جبر کریں
صبر ایوبؑ کی کیا اصل ہے۔ وہ صبر کریں

بعد احمد رہے کچھ دن تو غرض یوں ہی امام
اک قیامت ہوئی دشمن ہوا جب حاکم شام
خط پہ خط لکھ کے ضیافت کا دیا شہ کو پیام
دل میں سوچا کہ مٹاؤں میں نشان اسلام

نام دعوت کا جفا پیشہ نے مشہور کیا
ہر طرح سید مظلوم کو مجبور کیا

آخر کار سفر پر ہوئے تیار حسینؑ
یک بیک ہو گئے صد مونس گرفتار حسینؑ
ردِ دعوت ہی حرام اس سے ہیں ناچار حسینؑ
گھر سے جانے کو ہیں اب با دلِ خونبار حسینؑ

خاک اڑانے کے لیے بادِ صبا آتی ہے
اب مدینے کے گلستاں سے قضا جاتی ہے

اس طرح ملتا ہی مشہور کتابوں سے پتا
چوتھی شعبان کو رخصت ہوئے سب سے آقا
یعنی ویران ہوئی قبر رسولؐ دوسرا
ایک بیمار تھی دختر اُسے تنہا چھوڑا

ساتھ لے کر رفقا باحشم و جاہ چلے
کام امت کا بنانے کے لیے شاہ چلے

قافلہ چھوٹا سا وہ اور یہ آشوبِ سفر　　منزلوں تک نظر آئی نہ کہیں شکلِ بشر
مار و اژدر کہیں پنہاں، تو کہیں شیر کا ڈر　　ساتھ بچے، کہیں گرمی کہیں سردی کا خطر

شہ کو پر فکر نہیں ردِّ بلا کرنے کی!
ہے خوشی وعدۂ طفلی کے وفا کرنے کی

فصل ایسی ہے کہ سردی کا زمانہ آخر　　کہرا پڑنے سے نہیں دھوپ بھی ہوتی ظاہر
برف باری سے نشیمن میں ہیں پنہاں طائر　　زمزمہ کرنے سے بلبل کی زباں ہے قاصر

دھیان آتا ہے تو بلبل کے جگر کانپتے ہیں
ایسی ٹھنڈی ہے ہوا جس سے شجر کانپتے ہیں

برف باری سے بیاباں کا ہے سبزہ پامال　　پالا کھانے سے ہیں ٹھٹھرے ہوئے جنگل میں نہال
اوس میں بھیگ کے شبنم کا برا ہے احوال　　پھل ہے جو باغ میں، ہے اس پہ بھی فالج کا خیال

گر بشر کھائیں ہوا اس کی تو ہوں تن نیلے
آج تک ہیں اسی دن سے لبِ سوسن نیلے

اوس پڑنے سے ہے بھیگی ہوئی صحرا کی زمیں　　طائروں کو بھی برودت سے کہیں چین نہیں
انقلاب ایسا نہ آیا ہے کہ جو رنج ہو یہیں　　بلبلیں بیٹھی ہیں لالے کی انگیٹھی کے قریب

بال و پر اوس سے بھیگے ہوں تو راحت کیسی
آتشِ گل میں برودت ہے حرارت کیسی

جگنو کو بھی ہے اب مہر کی تمازت سے کلام　　دھوپ بھی چاندنی کی طرح سے دیتی نہیں کام
بہر اطرافِ بیاباں کی زمینوں کو ہے تمام　　سر کھلے رہتے ہیں فوّاروں کو کیوں ہو نہ زکام

آب میں تھی جو روانی وہ تھمی جاتی ہے
دھار ہر ایک برودت سے جمی جاتی ہے

جام بلور بعینہ ہوا ہر ایک حباب — مچھلیاں پانی کے جمنے سے پھنسی ہیں تہ آب
ہیں شکنجے میں تو جنبش نہیں کھاتے گرداب — دانت بجتے ہیں گھر کے ۔ نہیں سردی کی جو تاب

جو حباب آب میں ہے غنچۂ سر بستہ ہے
اُس پہ کیا آج تلک آب گہر بستہ ہے

کیا بیاں کیجئے اللہ رے سردی کا اثر — وہی ٹھٹھرے ہوئے تھے جو کہ لب جو تھے شجر
ہے حبابوں کا یہ عالم کہ اُٹھاتے نہیں سر — چادر آب میں لپٹے ہوئے بے حس ہیں مگر

پانی جم جانے سے موجہ تو کہاں اُٹھتا ہے
منھ سے گرداب کے ہر بار دھواں اُٹھتا ہے

برف اس حد کی گری ہے کہ وہ صحرا ہے سفید — کوہ اسود تھا جو پہلے وہی سارا ہے سفید
منزلوں دیکھئے میدان میں سبزا ہے سفید — سنگ مرمر کی طرح سامنے دریا ہے سفید

پانی جمنے سے سمندر میں کہاں جوش ہے آج
جو شجر بن میں ہے ۔ گویا وہ کفن پوش ہے آج

نیلے سردی سے ہوئے جاتے ہیں جو پھول ہیں لال — برف باری سے ہیں سب باغ میں بلبلیں پامال
ہیں سفید آج کے دن سنبل پیچاں کے بھی بال — بس ہو تو دھوپ کی چادر میں لپٹ جائیں نہال

آہ بلبل سے کلیجے کی رگیں ٹوٹتی ہیں!
کونپلیں خوف سے سردی کے نہیں پھوٹتی ہیں

آ جکل کانپتے ہیں دیکھ کے جو جو سوئے آب — دھوکا پانی کا انھیں دے کے ڈراتا ہے سراب
عقل کہتی ہے کہ سردی کی جو لائے نہیں تاب — کرۂ نار کے پاس اُٹھ کے گئے اس سے سحاب

مختصر یہ کہ بُرودت کی وہ ارزانی ہے
مہر کے ظرف میں بھی آگ نہیں پانی ہے

کچھ بھی حدت ہو تو سردی کا یہ عالم جائے
باغ سے اڑ کے ہر ایک قطرۂ شبنم جائے

کانپنا مہر کا بھی وقت سحر تھم جائے
نہ ہلیں دل ۔ نہ رگ گل میں لہو جم جائے

نالہ کش بلبل شیدا نہ رہے ایذا سے
پھوٹ کر بو نکل آئے گل سربستہ سے

کیوں نہ عالم کے ہو ہر کام میں کہرے سے فتور
شب تیرہ سے سوا اس کا اندھیرا ہے ضرور

زمزمہ سنج اسی سے نہیں گلشن میں طیور
رات دن ایک ہوں تو عقل کا کیا اس میں قصور

روشنی غرب سے تا شرق نہیں پاتے ہیں
رات اور دن میں کوئی فرق نہیں پاتے ہیں

قمریاں سرو پہ جاتی ہیں نہ بلبل سوئے گل
کونپلیں جا کے چھپی ہیں نہ زلف سنبل

کرۂ نار میں بھی نار نہیں اب بالکل
مشعل مہر درخشاں بھی ہوئی اس سے گل

سرد وہ دھوپ کی چادر ہے کہ جلتی ہی نہیں
آگ پتھر سے نکالو تو نکلتی ہی نہیں

جانور جانوروں سے بیزار نظر آتے ہیں
برف کے دشت میں انبار نظر آتے ہیں

طرفہ دنیا کے کچھ آثار نظر آتے ہیں
یعنی بلور کے اشجار نظر آتے ہیں

بلبلیں باغ میں بیکار بھی اب روتی ہیں
برگ ہیرے کے جو ٹکڑے ہیں تو گل موتی ہیں

ایسی سردی میں چلے جاتے ہیں سلطان ہدا
وہ ہوا سرد پر آشوب وہ پٹ پڑ صحرا

جسم سن ہو گئے ایسا ہی بشدت جاڑا
تیر کی طرح سے آتا ہی ہوا کا جھونکا

آجکل بارش شبنم سے زمیں گیلی ہے
ہے برودت کی یہ حد جلد فلک نیلی ہے

راہواروں کی بھی سردی سے ہے اب کم رفتار — وہ بھی مضطر ہیں بلندی پہ ہیں جو ناقہ سوار
زرہیں بھیگی ہوئی ہیں، برف ہوئے ہیں ہتھیار — اینٹھی ہیں تو کڑکتی ہیں کمانیں ہر بار

جوہرِ تیغ گلابی ہوں تو دھانی ہو جائیں
تیر ترکش سے نکل آئیں تو پانی ہو جائیں

اُڑ نہیں سکتے ہیں سردی سے پیادوں کے قدم — تھرتھراتی ہیں سنانوں کا ہے اب یہ عالم
لپٹے جاتے ہیں پھریروں کی رداؤں میں علم — برف کے بار سے تیغیں بھی ہوئی ہیں سب خم

لہراتی نہیں ہے آب بھی تلواروں کی
باگیں اینٹھی ہوئی ہیں بھیگ کے رہواروں کی

اوس پڑنے سے ہر اک شے ہے جہاں کی گیلی — پتیاں ڈھالوں کے پھولوں کی ہوئی ہیں نیلی
ہے پڑا آب گھڑی یا دشت کی مٹی گیلی — ڈابیں کمروں کی کسی جاتی ہیں جو تھیں ڈھیلی

بن میں سبزے پہ بچھے ہیں گلِ تر شبنم کے
کلغیوں میں فرسوں کی ہیں گہر شبنم کے

تیز ایسی ہے ہوا جس سے لرزتے ہیں جگر — دست و پا سُن ہیں تو پھر چل سکیں مرکب کیونکر
مہر بھی چہرے پہ اوڑھے ہے گھٹا کی چادر — خشک ہوتی ہی نہیں یوں ہے زمیں اوس سے تر

بچے مضطر ہیں تو ہیں تشنہ لبی پریشانی میں!
جو عماری ہے وہ ڈوبی ہوئی ہے پانی میں

اس طرح سے ہے رواں قافلۂ شاہِ زمن — زحمتیں راہ میں ایسی ہیں کہ ہے دل پہ محن
جس پہ جالوں کے ہیں کھٹکے وہ پُر آشوب ہے بن — بیچ میں شاہ ہیں اور گردِ دلیرانِ وطن

راہ طے ہو رہی ہے عزت و توقیر کے ساتھ
سب بہادر ہیں رواں عترتِ شبیر کے ساتھ

الغرض وارد کعبہ ہوئے جب شاہِ انام ہے یہ مشہور کہ حضرت نے کیا واں پہ مقام
چند ہی روز ہوا تھا ابھی اُس جا پہ قیام کہ نہ لینے دیا اعدا نے وہاں بھی آرام
ہو کے مجبور بصد رنج و محن آہ چلے
حج کو عمرہ سے بدل کر شہِ ذیجاہ چلے

اب وہ دن ہیں کہ جنھیں کہتے ہیں ایامِ بہار ابتدا موسمِ گرما کی ہے اور دھوپ ہے بار
گرم چلتی ہے ہوا اُٹھتا ہے جنگل میں غبار ضو سے ذروں کی زمیں دشت کی ہے آتشبار
جا بدر خاک ابھی آگ سے تو جلتی ہے
وہ پھر ہوتی ہے جب گرم ہوا چلتی ہے

طے بہر طور ہوا جاتا ہے حضرت کا سفر دشتِ پُر خار سے گہ گہ ہے پہاڑوں سے گزر
ایسے پُر ہول بیاباں میں ہے سو طرح کا ڈر جھاڑیوں میں کہیں بیٹھے ہوئے ہیں شیرِ ببر
مُنھ نکالے ہیں کسی جا پہ مگر پانی سے
ہول آتا ہے کہیں بحر کی طغیانی سے

الغرض راہ وہ طے کرتے ہوئے شاہِ ہدا جا رہے ہیں نہ کوئی ڈر ہے نہ کوئی کھٹکا
بندۂ خاص جو ہیں سبطِ رسولؐ دوسرا کام ہے اُس کی خوشی سے نہیں اپنی پروا
مطمئن لاکھ بلاؤں میں ہیں شیر ایسے ہیں
دُکھ کو آرام سمجھتے ہیں دلیر ایسے ہیں

ہے یہ مشہور روایت۔ ہے خبر اس کی عام وہ سفر پانچ مہینے میں ہوا جب کہ تمام
واردِ دشتِ بلا ہو گئے سُلطانِ انام آئے میدانِ شجاعت میں امام ابنِ امام
سب نے ساماں کیے یہ دلبرِ حیدرؑ کے لیے
خیمے استادہ کیے آلِ پیمبرؐ کے لیے

فوجیں اعدا کی پھر آنے لگیں کثرت سے وہاں جمع ہونے لگے اس دشت میں سب بدایاں
اور مہیا ہوئے پیکار کے سارے ساماں تھے جو آمادہ پے قتل شہنشاہ زماں

فکریں اُن سب کو ہوئیں نہر کے لے لینے کی
چھیڑ ہونے لگی دریا سے ہٹا دینے کی

الغرض شاہ پہ ہونے لگے جب ظلم سوا رفع شر کرنے کو شبیرؑ نے چھوڑا دریا
دُور ساحل سے ہوئے آپ کے خیمے برپا واں بھی بیدینوں نے پر چین سے رہنے نہ دیا

حیف صد حیف دم تشنہ دہانی نہ ملا
ساتویں سے شہ مظلوم کو پانی نہ ملا

تین دن تک رہی سب آلِ نبیؐ تشنہ جگر دہم ماہ محرّم کو ہوا اک محشر
قتل ہونے لگے انصارِ شہ بحر د بر خون سادات سے مقتل کی زمیں ہو گئی تر

حیف صد حیف بصد جور و جفا قتل ہوئے
ظہر تک شاہ کے سارے رفقا قتل ہوئے

اب ہیں تنہا شہ مظلوم بصد رنج و الم دل کو مجروح کئے دیتا ہے احباب کا غم
نہ ہے لشکر نہ علمدار نہ لشکر کا علم خیمۂ عترتِ احمدؐ میں ہے شورِ ماتم

جو ہیں خاصانِ خدا اُن کو سبھی روتے ہیں
فاطمہؑ روتی ہیں جنّت میں نبیؐ روتے ہیں

دیکھ کر خیمے عزیزوں کے بھری شہ نے آہ کہا سب چھپ گئے نظروں سے مرے نورِ نگاہ
اب اکبر ہیں نہ عباسؑ علی ذیجاہ دو پہر میں کیا اعدا نے بھرا گھر یہ تباہ

قدر اُمّت نے یہ کی فاطمہؑ کے جانی کی!
ننھے بچوں کو بھی اک بوند نہ دی پانی کی

ناگہاں سوئے فلک یاس سے شہ نے دیکھا — مرنے پر کھینچ کے پھر ٹوٹی کمر کو باندھا
گئے رخصت کے لیے خیمے میں سلطانِ ہدیٰ — حال اصغرؑ کا وہ دیکھا کہ نہ دکھلائے خدا
مٹھیاں بند ہیں منکا بھی ڈھلا جاتا ہے
ہچکیاں پیاس سے آتی ہیں غش آ جاتا ہے

پیاس کا اصغرِ ناداں پہ جو صدمہ دیکھا — تھام کے ہاتھوں سے دل۔ بیٹھ گئے شاہ ہدیٰ
گود میں لے کے یہ بانوؑ سے بہ منت پوچھا — اس کو لے جاؤں۔ عجب کیا کوئی پانی دے ذرا
دیکھ کر صاحبِ اولاد ترس کھائیں گے
پانی مل جائے ذرا سا۔ تو یہ جی جائیں گے

کان میں پھر شہ والا نے یہ اصغرؑ کے کہا — چلتے ہو باپ کی نصرت کے لیے اے بیٹا؟
اللہ اللہ اثر بات میں کیا شاہ کی تھا — ننھے سے ہاتھ اٹھا کر علی اصغرؑ ہمکا
تھا اشارا۔ نہیں اب زیست گوارا بابا
ہم کو اس پیاس نے بے موت ہی مارا بابا

اٹھے شہ اصغرِ ناداں کو لیے ہاتھوں پر — فرش پر گر پڑی ماں تھام کے ہاتھوں سے جگر
لے چلے جب تو وہ کہنے لگی پیٹ کے سر — پھر کے کب آؤ گے؟ اتنا تو بتا دو اصغرؑ
سن لو۔ دنیا میں ہمیشہ نہیں جینا بیٹا
بے پیے شاہ کے۔ تم پانی نہ پینا بیٹا

سن کے یہ۔ شاہ کے دل پر چلا اک خنجرِ غم — نکلے خیمے سے پسر کو لیے سلطانِ امم
حشر کے روز سے کچھ دھوپ نہ تھی اس دن کم — چھاؤں کرنے کے لیے قبلۂ عالم ہوئے خم
گرد کے دھیان سے دامن جو قبا کا ڈھانپا
لکۂ ابر نے خورشید کا چہرا ڈھانپا

الغرض ایک بلندی پہ گئے شاہ ہُدا دی صدا صاحبِ اولاد ہو جو دیکھے ذرا
ایک معصوم ہے آب ہے گھر سے نکلا تین دن ہوگئے پانی کا نہ قطرہ پایا
بول سکتا ہے نہ دُکھ درد سُنا سکتا ہے
نرگسی آنکھوں سے ہر ایک کا مُنھ تکتا ہے

سُن کے جو صاحبِ اولاد تھے دل ان کا ہلا حال پر اصغرؑ معصوم کے روئے اعدا
شمرِ بے دیں نے کہا حرملہ سے دیر ہے کیا آب پیکاں سے ہو تر خشک ہے ننھا سا گلا
قطع جلدی سے کلامِ شہِ والا ہو جائے
کہیں ایسا نہ ہو لشکر تہ و بالا ہو جائے

سُن کے یہ ہو گیا آمادہ جفا پر وہ شریر ہاتھ میں لے کے کماں بیس ہوا وہ بے پیر
تیر چلّہ میں رکھا، تاک لیا حلقِ صغیر اُس کا چھُٹنا تھا کہ بچہ ہوا ہاتھوں پہ اخیر
حلقِ اصغرؑ کا چھدا شاہ کا بازو ٹوٹا
رن میں بانو کی کمائی کو اجل نے لوٹا

رہ گیا شاہ کے ہاتھوں پہ تڑپ کر بچہ! سینے سے شاہ نے لپٹا کے کہا شکر خدا
خونِ ناحق نہ زمیں پر گرے یہ دھیان ہوا تھا لے کے چلّو میں ملا مُنھ پہ یہ اعدا سے کہا
سرخرو ہوں گا رسولِ دوسرا کے آگے
اسی صورت سے میں جاؤں گا خدا کے آگے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حیاتِ ذکی

خدا بخشے انھیں جو ذاکرِ شاہِ زماں ہو کر — رہے ہیں مدتوں روشن چراغِ خانداں ہو کر

خاندانی ہونا بھی ایک خاص جوہر ہے۔ بزرگوں کے اثرات خاندانی کمالات کا پایا جانا تعجب کی بات نہیں۔ غیر خاندانی کو ماحول میسر نہ ہونے سے ترقی کی آخری منزل تک پہونچنے میں جو دشواریاں پیش آتی ہیں اُن کا اندازہ وہی خوب کر سکتا ہے۔

خاندانی فرد کے لیے خاندانی کمال وفن کی تحصیل میں بہت زیادہ سہولتیں مہیا ہوتی ہیں اس میں کسی فن اور کسی کمال کی تخصیص نہیں فنونِ لطیفہ میں زیادہ سے زیادہ آسانیاں بہم ہوتی ہیں خصوصًا فنِ شعر و سخن۔ باپ شاعر، دادا شاعر، بھائی شاعر، مختصر یہ کہ گھر کا گھر شاعر۔ ہمہ وقت رموز و نکاتِ شاعری سنتے سنتے وہ کچھ یاد ہو جاتا ہے کہ جو دوسرے کو عمر بھر کوشش تحصیل کے بعد نہیں حاصل ہوتا۔

لکھنؤ میں باکمال خاندان بکثرت ہیں۔ منجملہ ان کے خاندان انیس ایک ایسا باکمال خاندان ہے جس پہ دنیا کی نظریں پڑتی ہیں اور پڑتی رہیں گی۔ اسی خاندان کی ایک فرد۔ اور نمایاں فرد جناب منے صاحب ذکی خلف جناب سید محمد نقی صاحب بھی ہیں۔ پٹنہ میں آپ کا قیام بائیس سال رہا۔ اہلِ پٹنہ آپ کو میر ذکی حسین صاحب کہتے تھے۔ آپ میر انیس مرحوم کی بڑی صاحبزادی کی بیٹی کے فرزند تھے۔ حضرت رشید مرحوم کی منجھلی صاحبزادی آپ کو منسوب ہوئی تھیں۔ جو لاولد انتقال کر گئیں۔

عالیجناب سید منے صاحب ذکی مرحوم

ان کے انتقال کے بعد مرحوم نے دو عقد کئے ایک زوجہ سے جناب سید محمد حیدر صاحب عرف جانی صاحب ہیں جو ماہ رجب کی ۲۰ کو نیا مرثیہ پڑھتے ہیں اور شعر و شاعری کی محفلوں میں بھی شرکت کرتے رہتے ہیں۔

دوسری زوجہ سے جناب ننھے صاحب رضی اور چھوٹے میاں صاحب وصی۔ اور ایک صاحبزادی ہیں۔ چھوٹے میاں صاحب وصی خصوصیت سے قابل ذکر اس لیے ہیں کہ انھوں نے انگریزی کی انتہائی تعلیم حاصل کی اور باشارہ اقتدار اس وقت شیعہ کالج میں مُنشی کی خدمت انجام دے رہے ہیں افسوس کہ ہونہار فرزند ترقیوں کی منزلوں کو طے کر رہا ہے اور خوش ہونے والا شفیق پدر آغوش قبر میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے آرام کر رہا ہے۔ خوش نصیب صاحبزادی کی شادی جناب مرزا کاظم حسین صاحب سے ہوئی۔ جو اجنتا لبکٹ فیکٹری بارہ بنکی کے مالک۔ اور اخلاق و تہذیب میں آپ اپنی نظیر ہیں۔

آپ کے کل مراثی (۷۰) سلام و رباعیات و قصائد و غزلیات بکثرت ہیں جو اُن کے پس ماندگان کے پاس ابھی تک تو محفوظ ہیں۔ آپ جناب پیارے صاحب رشید کے شاگرد تھے۔ لکھنؤ اور پٹنہ میں بکثرت آپ کے تلامذہ تھے اور موجود ہیں۔

دور آخر میں صرف آپ ہی کی ذات تھی جو انگرکھے کے ساتھ ساتھ منبر پر چوگوشیہ ٹوپی پہن کے خدمت خوانندگی انجام دیتی تھی۔

آپ کی طرز خوانندگی کا سکہ ابھی تک اہل ذوق کے دلوں پر جما ہوا ہے۔ ۱۵ر جون ۱۹۴۳ء یوم شنبہ نو بجے صبح کو میڈیکل کالج کی سرزمین پر یہ بے مثال مداحِ حسین عمر کے پچاسی سال گزار کے جانب ملک عدم کوچ کر گیا اور مقبرہ میر انیسؒ واقع سبزی منڈی چوک میں اہل خاندان نے دفن کیا۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

(ادارہ)

۷۸۶

مرثیہ

در حال حضرت عون و محمّد علیہما السلام

بند (۹۳)

ہزار حسن ہیں جس میں وہ آئینہ ہے سخن
ہر ایک کو نہ بہم ہو وہ کیمیا ہے سخن
پسند حق کو ہے وہ دُرِ بے بہا ہے سخن
پئے ظہورِ غمِ آلِ مصطفےٰ ہے سخن
ہر اک کا باعث و وجہ وقار ہے تو یہ ہے
جہاں میں تاج سرِ اعتبار ہے تو یہ ہے

بشر کا جس سے بڑھے نام اور نشان یہ وہ ہے
ہمیشہ رکھتا ہے جو طبع کو جواں یہ وہ ہے
فصیح رہتی ہے جس کے سبب زباں یہ وہ ہے
عروج جس سے کہ ہے زیرِ آسماں یہ وہ ہے
اسی سے اوجِ سعادت دوچند رہتا ہے
اسی کی وجہ سے پایا بلند رہتا ہے

سخن وہ کون ہے تعریف جس کی ہے یہ رقم
ہے صرف اس کے لیے نظمِ مدحِ شاہِ اُمم
یہ کوچہ وہ ہے جہاں جا کے کانپتے ہیں قدم
اسی کی راہ پہ چلتا ہے جسمیں سر سے قلم
اسی سے مہرِ صفت دل کا داغ ہوتا ہے
اسی کلام سے عالی دماغ ہوتا ہے

ذکی خموش کہ ہوتا ہے اب کلام میں طول دکھاؤ باغِ مضامینِ مدحِ آلِ رسولؐ
وہ ذکر ہو کہ شگفتہ ہو جس سے طبعِ ملول چمن وہ ہو کہ نظر آئیں رنگ رنگ کے پھول
تعلیوں کا کسی جا سخن میں نام نہ ہو!
ثنائے آل سے خالی مگر کلام نہ ہو!

کریں بلند عزادار غم کے نالوں کو دعائیں فاطمہؑ دیتی ہیں رونے والوں کو
یہ عرض کرتی ہیں بکھرا کے سر کے بالوں کو کریم شاد رکھے ان سب وفا خصالوں کو
الم میں بیکس و مضطر کے جان کھوتے ہیں
یہ جس کا کوئی نہیں اس کے غم میں روتے ہیں

کہاں تلک ہوں بیاں جو غم و الم پائے وطن کو چھوڑ کے غربت کے دشت میں آئے
خدا نہ گود کے پالوں کا داغ دکھلائے پڑے تھے خاک پہ سب شیر برچھیاں کھائے
ہو کس طرح سے بیاں اُن وفا شعاروں کا
دلِ حسینؑ سے پوچھو فراق پیاروں کا

شبِ دہم تھا یہ احوال شاہِ جن و بشر کبھی تو خیمے میں آئے کبھی گئے باہر
فلک کی سمت نظر کی کبھی بہ دیدۂ تر بلا کے دی کبھی ایک ایک کو سحر کی خبر
کسی کو دیکھ کے گہہ سرد آہ بھرنے لگے
کسی طرح کی وصیت کسی سے کرنے لگے

تمام شب انھیں باتوں میں جب ہوئی آخر ہوئے کچھ آمدِ خورشید کے نشاں ظاہر
اُٹھے محل میں عزیزان صابر و شاکر اُدھر ہوئے درِ دولت پہ دوست سب حاضر
صدا دعاؤں کی یاں تا بہ عرش جانے لگی
سپاہِ شام سے آوازِ طبل آنے لگی

ادھر نماز سحر پڑھ کے شاہدیں نکلے! علم لیے ہوئے عباسؑ مہ جبیں نکلے
ہر اک سے کہتے یہ زینبؑ کے نازنیں نکلے جو دل میں رکھتے ہیں وہ آرزو کہیں نکلے

نہیں ہے صبر کی اب تاب قلب سوزاں میں
ہمارے نیمچے چمکیں گے پہلے میداں میں

اس احتشام سے آئے جو سید ابرار اُٹھے سلام کو سب شہ کے یاور و انصار
سپاہ شام کے غل سے نہ تھا جو دل کو قرار ادب سے سب نے کیا اپنا مدعا اظہار

بہشت لینے کے امیدوار ہیں غازی
طلب میں اذن کے سب بیقرار ہیں غازی

دلیر بڑھ کے کوئی مانگتا ہے اذن اگر حسینؑ رو کے جھکا لیتے ہیں سرِ انور
ہر اک جری سے یہ فرماتے ہیں شہ صفدر میں داغ ہجر سہوں کس کے کس کے اک دل پہ

نہ اُٹھ سکیں گے جو ظلم شدید ہوتے ہیں
غضب ہے ساتھ کے کھیلے شہید ہوتے ہیں

گئے تمام وفادار جبکہ سوئے جناں عزیز لے کے چلے پھر رضا سوئے میداں
الم میں ان کے تڑپنے لگے امام زماں پکارتے تھے کہ مسلم کے ہیں یہ راحت جاں

ریاض فاطمہؑ کے نونہال ہیں دونوں
خدا بچائے ابھی خورد سال ہیں دونوں

الم میں رو رہے تھے ان کے شاہ دین دلبر کہ آئے عون و محمدؑ بھی باندھے تیغ و سپر
ادب سے ہاتھوں کو جوڑے ہوئے بدیدہ تر کہا کہ دیجئے رخصت ہمیں پئے داور

رضا ملی نہ ابھی تک یہ کیوں عتاب ہوا
ہر ایک رن میں شہادت سے فیضیاب ہوا

بہا کے اشک یہ بچوں سے شہ نے فرمایا — تمھیں بھی جانے کی حسرت ہے سوئے دشت وغا
سمجھ میں کچھ نہیں آتا چلی یہ کیسی ہوا — سحر سے لٹتا ہے گلزار فاطمہؑ زہرا
ہے آرزو جسے دیکھو لہو میں بھرنے کی
یہ کیا غضب ہے کہ سب کو خوشی ہے مرنے کی

ادھر یہ کہتے تھے بچوں سے شاہ جن و بشر — ادھر تھیں خیمے میں بیتاب زینبؑ مضطر
بلا کے فضہ کو فرمایا یہ بدیدۂ تر — خبر تو لا کہ یہ کیا دونوں کرتے ہیں باہر
جو سن میں چھوٹے تھے ان سے گئے وہ مرنے کو
یہ گھر سے نکلے ہیں میداں کی سیر کرنے کو

ابھی یہ ذکر ادھر کر رہی تھی وہ پر غم — کہ آئے بچوں کو ہمراہ لے کے شاہ امم
نہ اذن ملنے کا دل میں جو تھا ملال و الم — وفور شوق تھا گھبرا رہے تھے سینوں میں دم
دعا تھی گلشن جنت نصیب ہو ہم کو
کریم جلد شہادت نصیب ہو ہم کو

پڑی جو زینب بیکس کی لاڈلوں پہ نگاہ — بغور دیکھ کے دونوں کو کھینچی سرد اک آہ
بہن سے بڑھ کے یہ بولے امام عرش پناہ — مصر ہیں رن کی اجازت پہ یہ بھی غیرت ماہ
کوئی جوان میں سے ایذا اٹھائے گا زینبؑ
دل ضعیف مرا تاب لائے گا زینبؑ؟

یہ سنکے شاہ سے بولی بتول کی جائی — پلے تھے آج کے دن کے لیے یہ شیدائی
انھیں پہ آئے وہ آفت جو سر پہ ہو آئی — کسی طرح سے بچے جان آپ کی بھائی
یہی ہیں آپ کے بدلے لہو میں بھرنے کو
کچھ اور رکھتی نہیں میں نثار کرنے کو

ہوئیں جو دونوں سے آزردہ بنتِ شیرِ خدا　　جھکا کے سر یہ دلیروں نے ماں سے عرض کیا

کوئی ہماری نہ تقصیر ہو نہ کوئی خطا　　سحر سے مانگی گئی بار شہ سے رن کی رضا

اجل نہ آئے تو کس طرح سے مریں اماں

نہ جانے دیں ہمیں حضرت تو کیا کریں اماں

یہ سُن کے بچوں سے بولی بتولؑ کی جائی!　　گئے نہ پہلے ہوئی یہ ضرور رُسوائی

یہ عرض کرنے لگی شاہ سے وہ دُکھ پائی　　خدا کا واسطہ اب دیجئے رضا بھائی

سپاہِ شام سے لڑنے میں کد کریں دونوں

بلا جو آپ پہ آئی ہے رد کریں دونوں

ہوئے خوش رضا دے کے شاہِ انس و جاں　　بکائے آل سے ظاہر تھا حشر کا ساماں

رضا جہاد کی پاتے ہی دونوں راحتِ جاں　　اُٹھا کے نیمچے جھومے مثالِ شیرِ ژیاں

ارادے ہو گئے خوں میں بھریں لعینوں کو

نظر بدل گئی اُلٹا جو آستینوں کو

اُدھر بہاتی تھی آنسو بتولؑ کی جائی　　خوشی میں جنگ کی یاں خوش تھے دونوں شیدائی

رضا جہاد کی بچوں نے جب سے تھی پائی　　بغور دیکھتا تھا شان بھائی کی بھائی

بڑا علیؑ کی طرح آن بان رکھتا تھا

دلیر دوسرا جعفرؑ کی شان رکھتا تھا

چلے جو خیمے سے وہ شاہزادۂ ازلی　　پکاریں پیٹ کے زینبؑ کہ میری جان چلی

قریبِ در گئے جب عاشقِ علیِؑ ولی　　حسینؑ پڑھنے لگے بازوؤں پہ نادِ علیؑ

ابھی ہیں خیمے میں تیور مگر بگڑنے لگے

بل ابروؤں پہ علیؑ کی طرح سے پڑنے لگے

اُٹھا کے پردۂ در بس وہ نازنیں نکلے
زمیں پہ پھیل گیا نور مہ جبیں نکلے
یہ باتیں کرتے ہوئے دونوں وہ حسیں نکلے
جو دل میں رکھتے ہیں وہ آرزو کہیں نکلے
اگر لڑے نہ تو لشکر کے ساتھ آ جائے
خدا کرے پسر سعد ہاتھ آ جائے

قریب دونوں کے شاہنشہ اُمم آئے
اُدھر سجے ہوئے اسپ صبا قدم آئے
وداع ہو کے جو حضرت سے ذی حشم آئے
اُدھر صدا غضب حق نے دی کہ ہم آئے
خدنگ غم دل فوج لعیں کے پار ہوئے
علیؑ کی شان سے دونوں جری سوار ہوئے

کشادہ کر دیا سینوں کو باگ اٹھاتے ہی
کچھ اور ہو گئے رہوار حکم پاتے ہی
دلیر شیر تھے دشت وغا میں آتے ہی
شریر فوج کے جا پہنچے لڑکے جاتے ہی
انھیں کو غور سے دیکھا کئے جو چیدہ تھے
نگاہ لڑ گئی اُن سے جو سرکشیدہ تھے

سبک روی سے یہ رہوار جائیں باغ میں گر
تو پہونچے اوس کے قطروں کو بھی ذرا نہ خبر
پھریں چمن میں کئی بار گر ادھر سے اُدھر
گماں ہو پھولوں کو چلنے لگی نسیم سحر
جوان کو سبزۂ خوابیدہ پہ کوئی لائے
وہ سمجھے باغ میں جھونکے نسیم کے آئے

ہزار دھیان وفاؤں کے آتے جاتے ہیں
نظر میں چشم فلک کی سماتے جاتے ہیں
غضب بھی تیزیوں میں کچھ دکھاتے جاتے ہیں
کہ گرد راہ قدم سے بٹھاتے جاتے ہیں
جہاں ادھر کا اُدھر ہو جو باگ مڑ جائے
مجال کیا ہے جو ذرہ ہوا میں اُڑ جائے

طرارے بھرتے ہوئے شرتیں دکھاتے ہوئے　　دہانے غیظ میں ہر مرتبہ چباتے ہوئے
قدم قدم پہ زمیں ٹاپوں سے دباتے ہوئے　　قریب معرکہ آ پہونچے ہنہناتے ہوئے
جو شہسوار تھے دم الفتوں کے بھرنے لگے
چمن سے دیکھ کے طاؤس رقص کرنے لگے

پہونچ کے پاس سپاہ شریر و بدخو کے　　دعائے فتح پڑھی شیروں نے فرس روکے
شقی سب آئے تھے گو ہاتھ جان سے دھوکے　　مگر مجال تھی بڑھ کر کوئی انھیں ٹوکے
ارادے بھاگنے کے بے شعور کرنے لگے
حواس شیر دلوں کے قصور کرنے لگے

دعائیں بازوؤں پر جب کہ شیروں نے دم کیں　　رجز کی تیغیں عجب حسن و شان سے چمکیں
نہالِ دیں کی جڑیں اس طرح سے محکم کیں　　تمام فوج مخالف نے گردنیں خم لیں
کلام سن کے دلاور جو تھے تمام تھے وہ
اثر سخن کے نہ تھے جوہر حسام تھے وہ

غضب میں گھوڑوں پہ جھومے کبھی یہ ضیغم نر　　جو شکل دیو تھے گہہ ان پہ ڈالی تند نظر
بڑھے یہ آگے تو ہٹنے لگا ادھر لشکر　　نکالیں تیغیں تو سینوں میں تھرتھرائے جگر
علیؑ کی طرح سوئے فوج اہل شر دیکھا
زمیں میں گاڑ کے نیزے ادھر ادھر دیکھا

صدا یہ دی کہ ہمارے ہیں جد علیؑ ولی　　ہزاروں ہو گئے پسپا جب اُن کی تیغ چلی
گئے وہ جس پہ نہ پھر موت اُس کے سر سے ٹلی　　امام کون و مکاں ماہر خفی و جلی
جہاں میں سب کے لیے راہ دیں کے سالک ہیں
خدا کے گھر کے خدا کی قسم وہ مالک ہیں

ہمیشہ لطفِ الٰہی رہا علیؑ کی طرف — اُنھیں کی ذات پہ ہے ختم لفظِ شاہِ نجف
پدر حسینؑ کے ابوطالبِ جری کے خلف — خدا ہی جانتا ہے بس علیؑ کا عز و شرف
تقربانِ الٰہی کے یہ کفیل بھی ہیں
اب انتہا ہے کہ استادِ جبرئیل بھی ہیں

اُنھیں کی طرح سے رکھتے ہیں ہم خرد دونوں — کرینگے جنگ میں ویسی ہی جد و کد دونوں
دلوں میں رکھتے نہیں خواہشِ مدد دونوں — اُسی ہنر پہ کہ بیٹے ہیں اسد دونوں
اُسی طرح سے ہم اندازِ جنگ رکھتے ہیں
اُسی طرح سے وغا کی اُمنگ رکھتے ہیں

ہوئی جو تیرِ ملامت کی ہر طرف بوچھار — ہوئے دل اُن کے مشبک جو سامنے تھی قطار
کھڑے تھے جو بہ قدر انداز پیچھے ظلم شعار — کمانیں کاندھوں سے لیں تیر سر کیے یکبار
سب اہلِ نار اُدھر سرد آہ بھرنے لگے
ادھر بھی تیغیں تو پیچھے دلیر کرنے لگے

سمٹ کے آگیا لشکر شام و روم کا منتشر — جری دکھانے لگے شان و شوکتِ حیدرؑ
محمدؑ ایک طرف آگئے کھینچے تیغ دو سر — گئے وہ دوسری جانب دکھانے اپنے ہنر
یہ کہتے تھے کہ سواروں کو تا کمر کاٹیں
وہ کہتے تھے کہ پیادوں کے پہلے سر کاٹیں

کہا یہ چھوٹے نے ہم گھیر کر تو تنگ کریں — پکارے عونؑ کہ ظالم چھین لیں تو جنگ آیا
کہا یہ بڑھ کے محمدؐ نے کیوں عدو تنگ کریں — فریب کھا کے زمیں خوں سے لالہ رنگ کریں
سپاہِ شام سے تیغیں بھی آج ہم چھینیں
شکستِ فوج کو دیں دشمنوں کا علم چھینیں

یہ سُنکے فوج سے بڑھ آئے آگے کچھ اشرار　　شروع جنگ ہوئی آئے تیر کہیں دو چار
یہ رنگ فوج محمدؐ نے دیکھا جب یکبار　　صدا یہ دی کہ بس اب بھائی چھیڑیے رہوار
اُٹھائے تیغ و سپر دیکھیے شریر آئے
اب انتظار ہے کیا اُس طرف سے تیر آئے

یہ سُنکے عونؑ نے جولاں کیا فرس یکبار　　اُدھر سے چھیڑا محمدؐ نے غیظ میں رہوار
فرس پہ جھومے وہ مانند حیدرِ کرار　　کبھی تنے یہ ادھر مثلِ جعفرِ طیار
بلند ہاتھوں میں تیغیں تھیں ضربتوں کیلئے
جھکے ہوئے تھے ملک بھی زیارتوں کے لیے

چلے جو چھوٹی سی تیغوں کے وار لشکر پر　　کہیں یہ فرق تھے بے تن کہیں پہ تن بے سر
تڑپ رہے تھے کہیں زخم کھا کے بانیٔ شر　　کوئی شریر کہیں تھا دو نیم تا بہ کمر
علیؑ کا زور وہ اسوار کو دکھاتے تھے
فرس پہ ہاتھ یہ جوزنگ کا لگاتے تھے

بڑے نے فوج کو ریلا اُڑائے چھوٹے نے سر　　وہ تیغیں توڑ کے پلٹے یہ کاٹ آئے سر
وہ گرز لائے کسی کا تو یہ کسی کا تبر　　وہ زور اپنا دکھاتے تھے واں یہ اپنا ہنر
وہ پہلوانوں پہ ہنس ہنس کے وار کرتے تھے
یہ اپنے کشتوں کا بڑھ کر شمار کرتے تھے

وہ اپنا نیچہ چمکاتے تھے بڑھا کے قدم　　یہ اپنی تیغ کا دکھلاتے تھے کبھی خم و خم
وہ سر اڑاتے تھے جس کا میانِ فوجِ ستم　　صدا یہ دیتے تھے جوزنگ اس کو کرتے ہیں ہم
کبھی وہ رکتے تھے یہ گیر و دار کرتے تھے
کبھی یہ لیتے تھے دم اور وہ وار کرتے تھے

وہ رنگ ضربِ علیؑ فوج کو دکھا دینا　　وہ ایک ہاتھ میں دو دو کا خوں بہا دینا
وہ بڑھنا عونؑ کا چھوٹے کا یہ صدا دینا　　وہ پہلواں مرے حقّے کا ہے بچا دینا

اس انتظام سے یاں کارزار ہو بھائی
وہی مرے کہ جو اپنا شکار ہو بھائی

یہ کہہ کے جا پڑا لشکر پہ یہ بھی غیرتِ ماہ　　چلا جو نیمچہ ہونے لگی سپاہ تباہ
نہ ملتی تھی کسی بیدیں کو جائے امن و پناہ　　جو کھیلا جان پہ اُس کو عدم کی ملتی تھی راہ

اجل کے غم سے بحالِ تباہ پھرتے تھے
جو بچ گئے تھے وہ گم کردہ راہ پھرتے تھے

سروں کی ہوتی تھی میداں میں ہر طرف بوچھار　　بڑا نہ دیتا تھا مہلت نہ چھوٹے کی تلوار
ذرا نہ کرتے تھے نوجواں کا خوف یہ جرار　　وہ جنگ کی کہ ہوئے رن میں کشتوں کے انبار

شمار کرنے میں لاکھوں کا وہ بھی بھول گئی
پکارتی تھی اجل میری سانس پھول گئی

ہُنر دکھاتے تھے ہمشیر شاہ کے پیارے　　لرز رہے تھے سپاہی سپاہ کے سارے
وغا کی ہمتیں جیتے تھے جو وہ تھے ہارے　　تنوں سے خوں نہ نکلتا تھا خوف کے مارے

جو نکلا دم بھی تو بس کھو کے آبرو نکلا!
چھپا زمیں میں اگر جسم سے لہو نکلا!

تمام فوج میں غل ہے کہ بھائیو بھاگو　　ارے نہ تیغ و سپر اب اٹھائیو بھاگو
نہ تھم کے منھ کسی صورت دکھائیو بھاگو　　مقام خوف ہے پھر کر نہ آئیو بھاگو

کوئی نہ دم کہیں لے بھاگتے چلے جاؤ
جدھر کی راہ ملے بھاگتے چلے جاؤ

پڑی ہوئی تھی دلیروں سے فوج میں ہلچل
اُٹھا کے تیغیں بڑھے آگے دو سپاہ سے یل

طویل قد ستم ایجاد، کینہ در مہمل
برنگِ مارِ سیہ دونوں کھاتے جاتے تھے بل

فلک سے نعروں کی آواز جا کے ملنے لگی
دیئے جو گھوڑوں پہ لنگر زمین ہلنے لگی

ستم شعار جفا جو ذلیل و خانہ خراب
وہ سرخ دونوں کی آنکھیں فرانہ جن میں حجاب

کمانیں قوس اجل تیر مثل تیر شہاب
پڑی ہوئی وہ ہر اک رخ پہ ذلتوں کی نقاب

وہ نیزے دیو بھی آگے سے جن کے ہٹ جائے
وہ تیغیں ہاتھوں میں جن سے پہاڑ کٹ جائے

غضب میں تیوریاں بدلے ہوئے وہ بانیٔ شر
کمانیں دوش پہ لٹکائے کھینچے تیغ دو سر

وہ راہوار اُٹھائیں جو فیل کا لشکر
قریب شیروں کے آئے شقی لڑائے نظر

خبر شکست کی فتح و ظفر سے ملنے لگی!
تنے جو جھوم کے رن کی زمین ہلنے لگی

پکارے غیظ میں بچوں سے دونوں بانیٔ شر
وہ نیزے اپنے ہیں کرتے ہیں کوہ میں جو گزر

جو چار رہا تھ ہلا کر کبھی دکھائے ہنر
تو بنیں کوہ پہ شیروں کے تھر تھرائے جگر

اماں دلیروں کو کب وقتِ جنگ دیتے تھے
اُنی سے دیو کا دل بڑھ کے چھید لیتے تھے

ہلا کے نیزوں کو آگے بڑھے اُدھر وہ شقی
اِدھر بھی شیروں نے کھینی تنگ آستیں اُلٹی

اُٹھا کے نیمچہ آئے قریب عونِ جری
صدا دی جھوم کے چھوٹے نے یا علیٔ ولی

دلوں میں ذکر امام انام ہونے لگا!
وغا کا دونوں طرف انتظام ہونے لگا

بڑھے وہ ایک طرف اپنی کھینچ کر تلوار
گئے بڑھائے ہوئے دوسرے پہ یہ رہوار
نہ ڈرسے تھا جو ہر اک پُر جفا کے دل کو قرار
سروں کو خم کئے دونوں کھڑے تھے ظلم شعار

پکاری بڑھ کے ظفر دیں پناہ آپہونچے
ہزبر بیشۂ شیر الٰہ آپہونچے

کہاں ہے ساقی مہرو شراب ناب پلا
چلی ہے طبع سوئے جنگ آشتاب پلا
جو صاف ہوئے جنت سے وہ شراب پلا
تو ہی تو ہے مرا ساقی ابو تراب پلا

دکھا دے جنگ میں کس طرح کھیت پڑتے ہیں
شراب خواروں سے زینب کے لال لڑتے ہیں

جہاں میں مے کا تری ساقیا جواب بھی ہے
دوائے درد معاصی بھی ہے شراب بھی ہے
گنہ بھی ترک ہیں اس کے ہے اور عذاب بھی ہے
اسی کے پینے سے بخشش بھی ہے ثواب بھی ہے

وہ دور جام وہ گردش تری نگاہوں کی
سپید کیوں نہ ہو فرد سیہ گناہوں کی

ترا جو دست کرم بار بار بڑھتا ہے
تو جوش میکشی بادہ خوار بڑھتا ہے
ہمارے دل کا یہ ساقی وقار بڑھتا ہے
کہ نور معرفت کردگار بڑھتا ہے

شبانہ روز زباں کو یہ کام ہے ساقی
خدا کا ذکر ہے یا تیرا نام ہے ساقی

کرم سے تیرے سب امیدوار پیتے ہیں
کسے ملی ہے جو ہم بادہ خوار پیتے ہیں
خدا شناس سدا بار بار پیتے ہیں
تری شراب عبادت گزار پیتے ہیں

پھرا جو ساقیا اس در سے کب ملول نہیں
اسی شراب کی توبہ کبھی قبول نہیں

وہ ساقی اور ہیں جن کے دماغ جلتے ہیں　　دل و جگر کہیں مثل ایاغ جلتے ہیں
ترے جو ہجر میں یاں دل کے داغ جلتے ہیں　　تو ایک گھر میں ہزاروں چراغ جلتے ہیں

دل شگفتہ سے میں باغ باغ رہتا ہوں
ترے خیال سے روشن دماغ رہتا ہوں

کئے شریروں نے شیروں پہ بڑھ کے نیزوں کے وار　　ادھر نہ آنکھ بھی جھپکائی دونوں نے یکبار
بڑھا کے چند قدم اپنا عونؑ نے رہوار　　یہ دو ڈانڈ کو نیزے کی تھاما آخر کار

بڑے نے چھین کے اس کا علم کیا نیزہ
تو بڑھ کے چھوٹے نے اس کا قلم کیا نیزہ

ادھر یہ عونؑ سے کرتا تھا منتیں خود سر　　بڑھا وہ چھوٹے پہ تلوار لے کے بانی شر
یہ نیزہ تانے تھے مانند حیدر صفدر　　ہوئے وہ جنگ پہ تیار صورت جعفرؑ

یہ نیزہ بازیوں کے سب ہنر دکھانے لگے
وہ اپنی تیغ کی برش کو آزمانے لگے

کبھی یہ اس پہ لگاتے تھے بڑھ کے نیزے کا وار　　کبھی وہ غیظ میں بڑھتے تھے تول کر تلوار
یہ چوٹ کھا کے دبکتا تھا گھر ادھر غدار　　کبھی وہ دست تاسف کو ملتا تھا ہر بار

یہ ضرب عونؑ دلاور سے گھر دبکنے لگا
چمک سے تیغ کی آنکھوں کو وہ جھپکنے لگا

بڑھا کے رخش کو مارا جو عونؑ نے نیزا　　کیا بلند تو لٹکا ہوا تھا اہل جفا
یہ حال بڑھ کے محمدؑ نے جب ادھر دیکھا　　جری نے بھائی کو دی آستیں الٹ کے صدا

نہیں ہے دیر ذرا دونوں ساتھ مرتے ہیں
ہم اس کو دیکھئے بھائی دو نیم کرتے ہیں

یہ کہہ کے رخش پہ دوبارہ جھوما وہ جرار
قدم بڑھا کے کیا بے حیا پہ تیغ کا وار
وہ ہاتھ کو کھینچا جو شیر نے یکبار
دو نیم ہو کے گرا خاک پر وہ ظلم شعار
نظر اڑائے تھے یاں نیزہ باز نیزے پر
یہ دیکھتا تھا نشیب و فراز نیزے پر

ابھی تو دیتے تھے چکر لعین کو عونؑ جری
تمام فوج میں واں بھلگنے کی دھوم ہوئی
گرا جو خاک پہ وہ دشمن خدا و علیؑ
پکاری موت یہ گردش ترے نصیب کی تھی
جگر پہ گزری ہے کیا منھ سے بول تو ظالم
کھڑی ہوں سر پہ میں آنکھوں کو کھول تو ظالم

طبیعتیں بھی ابھی دونوں شیروں کی برہم
ملا کے دونوں نے رہواروں کو بڑھائے قدم
اٹھائے پیچھے پہونچے قریب فوج ستم
کسی کی تیغ لی چھینا کسی سے بڑھ کے علم
کسی کا خون سے تن لال کر دیا بڑھ کے
کسی کی لاش کو پامال کر دیا بڑھ کے

پکارے عونؑ جری میری جاں بڑھے جاؤ
فرس بھگا رہے ہیں پہلواں بڑھے جاؤ
نہ ان میں ایک بھی پائے اماں بڑھے جاؤ
فرس تھمے نہ رکے ہاتھ ہاں بڑھے جاؤ
جہاں رکیں یہ وہیں ان کو مارنا بھائی
علیؑ کے شیر ہو ہمت نہ ہارنا بھائی

یہ کہہ کے تیز کئے راہوار دونوں نے
بھگائی فوج ضلالت شعار دونوں نے
نکالا تھا جو نہ دل کا غبار دونوں نے
رکا جو ایک تو کر ڈالا چار دونوں نے
غضب کے ہاتھ لگاتے چلے گئے سب کو
اسی طرح سے بھگاتے چلے گئے سب کو

ہوئی جو چار طرف فوج شام و روم تباہ　　　تھمے یہ روک کے گھوڑوں کو دونوں غیرت ماہ

مگر سے پیاس کی شدت سے تھی جو حالت تباہ　　　اندھیرا چھا یا تھا آنکھوں میں سوجھتی تھی نہ راہ

نکلتی تھی نہ کسی دم سپاہ کی آواز

دلوں سے آ رہی تھی آہ آہ کی آواز

سروں کو رکھتے ہیں گو قابو میں نہ تھا پر　　　دلوں کو تھامے ہوئے کانپتے ہیں تھر تھر

یہ ایک بھائی سے اک بھائی کہتا ہے مر کر　　　ہے سوز تشنہ لبی یہ کہ پھنک رہا ہے جگر

کہا یہ عون نے حق سے دعا کریں بھائی

نہ ہو نصیب میں پانی تو کیا کریں بھائی

مگر قریب ہے اب ہم سے سیر باغ جناں　　　کہاں یہ رنج عطش اور یہ دشت ظلم کہاں

خدا سے ہم ہوا می اگر دعا ہیں جو زخم سے ترساں　　　اٹھا رہے ہیں الم جب تلک ہے جسم میں جاں

ملے نہ اب لہو سارا جسم سے بہہ جائے

شہید یوں ہوں کہ دنیا میں آبرو رہ جائے

یہ باتیں کر رہے تھے یاں وہ دونوں تشنہ دلگیر　　　کہ جم کے چار طرف سے بڑھ آئی فوج شریر

کوئی سنبھالے ہوئے گرز اور کوئی شمشیر　　　لگا رہا تھا کوئی صفدروں کو تیر پہ تیر

پئے ہے حلق میں فوج گراں بچیں کیونکر

یہ دو صغیر وہ لاکھوں جوان بچیں کیونکر

کسی کی تیغ لگی سر پہ تیغ سے ناگاہ　　　فرس پہ جھک گیا کئی مرتبہ وہ غیرت ماہ

ہوا جو خون کے بہنے سے اور حال تباہ　　　فرس سے گر کے کہا لا الہ الا اللہ

یہ کہہ کے ضعف میں خاموش ہو گیا صفدر

زمیں پہ گرتے ہی بے ہوش ہو گیا صفدر

پکارے عونؑ وفادار ہوش میں آؤ اٹھو اٹھو مرے جرار ہوش میں آؤ
ہمیں ستاتے ہیں کفار ہوش میں آؤ تمہیں پکارا کئی بار ہوش میں آؤ
ہے سخت راہ عدم ساتھ دیجیو بھائی
ہمیں ابھی سے اکیلا نہ کیجیو بھائی

پکارتا تھا ابھی بھائی کو وہ عرش وقار کسی کا تیر ہوا سینۂ دلیر کے پار
تپاں تھا ماہیٔ بے آب کی طرح دل زار کسی لعیں نے کیا بڑھ کے تیغ تیز کا وار
کئی جو زخم دل دردناک پر آئے
اسی طرح سے یہ غش کھا کے خاک پر آئے

ادھر زمیں پہ گرے گھوڑوں سے وہ شکل قمر تڑپ کے خیمے میں فضہ نے سب کو دی یہ خبر
پکاری بی بی اب آؤ جلد کھولے سر زمیں پہ عونؑ و محمدؑ پڑے ہیں خون میں تر
دعائیں بچنے کی سب بہر ذو الجلال کرو
تمام فوج میں غل ہو کہ پائمال کرو

ابھی تو خیمے میں فضہ یہ کہہ رہی تھی بیاں بجائے فتح کے باجے سپاہ کیں نے وہاں
نظر حسینؑ نے کی اٹھ کے جانب میداں پکارے خیر ہو یارب یہ کیا ہوا ساماں
کسی پہ ظلم ستمگاروں نے شدید کیا
یہ کیسے بجتے ہیں باجے کسے شہید کیا

قریب آ کے یہ عباسؑ نامور نے کہا زمیں پہ گر پڑے گھوڑوں سے دونوں ماہ لقا
کسی کے تیغ لگی اور کسی کے تیر لگا تڑپ کے شاہ نے فرمایا آہ وا ویلا
نہ جانے کون سا اب ظلم ان پہ ہو بھائی
پکڑ کے ہاتھ مرا رن میں لے چلو بھائی

یہ کہہ کے روتے ہوئے رن میں پہنچے شاہِ امم　　اُدھر اٹکتے تھے سینوں میں دونوں شیروں کے دم
کھلے تھے پیاس سے منہ اور بند دیدۂ نم　　لہو سے لال بدن روحیں جسموں میں کم کم
جہاں سے جانے کے دیکھے جو طور بیٹھ گئے
اک آہ کی شہِ والا نے اور بیٹھ گئے

کہا حسینؑ نے اے لاڈلو ہم آئے ہیں　　جو کچھ گزرتی ہے ہم سے کہو ہم آئے ہیں
جواب تو کسی صورت سے دو ہم آئے ہیں　　سوا ہو پیاس تو گھر میں چلو ہم آئے ہیں
وہ غم سہے ہیں کہ جینا محال ہے پیارو
تمھاری ماں کا اُدھر غیر حال ہے پیارو

صدائے شہ سے وہ جو ذرا ہوش میں آئے　　جو زخم سینہ و سر میں تھے شہ کو دکھلائے
حسینؑ روئے کبھی اور گاہ چلائے　　تڑپ کے بچوں نے گہہ دونوں پاؤں پھیلائے
یہ حال دونوں کا جھک کر بغور دیکھتے ہیں
حسینؑ ہاتھوں کو ملتے ہیں اور دیکھتے ہیں

پھرا کے آنکھیں یہ حضرتؑ سے بولے وہ صفدر　　نہیں ہے ضبط کی اب تاب ہے جہاں سے سفر
کہا تھا ہم سے یہ اماں نے خیمے میں اکثر　　کہ دل جلیں بھی تو جائے نہ سوئے نہر نظر
عجیب حال تھے پر رُخ کیا نہیں ہم نے
گواہ رہیے گا پانی پیا نہیں ہم نے

جو دل کا حال ہے مولا سنا نہیں سکتے　　سر اُن کے پائے مبارک پہ لا نہیں سکتے
کسی کو حال بھی اپنا دکھا نہیں سکتے　　اجل قریب ہے خیمے میں جا نہیں سکتے
ہوئے شہید وہ دونوں غلام کہیے گا
ہمارا خیمے میں سب سے سلام کہیے گا

یہ کہہ کے شاہ سے جرّار مر گئے دونوں
پکارے جھک کے علمدار مر گئے دونوں
غضب ہے عاشق غفّار مر گئے دونوں
حضور کے وہ مددگار مر گئے دونوں
خوشی ہے اس کی کہ جنت میں جاتے ہیں دونوں
حضور دیکھئے تو مسکراتے ہیں دونوں

یہ سُنکے دونوں کے سینوں پہ شہ نے ہاتھ رکھا
کیا وہ درد سے نالہ کہ عرش کانپ گیا
ہلا کے بازوؤں کو بھانجوں کے دی یہ صدا
یہ کیا غضب ہوا لے لاڈلو بتاؤ ذرا
ستم زدہ کہ شہید جفا کہوں پیارو
بتاؤ زینبؑ مضطر سے کیا کہوں پیارو

یہ سُنکے عونؑ کا عباسؑ نے لیا لاشہ
اٹھایا چھوٹے کو شبیرؑ نے بہ آہ و بکا
نہ بار رنج اٹھانے کی تاب تھی اصلا
چلے بہاتے ہوئے اشک، ستیدِ والا
زباں یہ تھا کہ فلک کے عجب تماشے ہیں
پلے تھے گود میں جو یہ اُنھیں کے لاشے ہیں

قریب خیمہ گئے اُٹھتے بیٹھتے سرور
یہ کہنے بی بیوں سے آگے بڑھ گئے اکبرؑ
تباہ ہو گئیں اس بن میں دخترِ حیدرؑ
اُنھیں سنبھالو کوئی لاشیں آگئیں در پر
وہ دونوں غنچہ دہن خوں میں بھر کے آئے ہیں
ابھی جو مل کے گئے تھے وہ مر کے آئے ہیں

یہ سُنکے ہو گیا ناموسِ شاہ میں محشر
اُٹھیں سنبھالے ہوئے دل کو زینبؑ مضطر
ہر اک کو پیٹتے دیکھا جو اپنا سینہ و سر
پکاریں کیسا یہ ماتم ہے آئی کس کی خبر
پسر تو بھائی سے بڑھ کر مجھے عزیز نہ تھے
وہ صدقے ہونے کے قابل تھے کوئی چیز نہ تھے

بیاں یہ کر رہی تھیں سب سے زینبؑ مضطر کہ لائے خیمے میں لاشوں کو سبطِ پیغمبرؐ
لہو میں لال جو وہ نونہال آئے نظر وفورِ غم سے ہوا کانپنے لگیں تھر تھر

ملال قلب و جگر دلبروں کے سہنے لگے
ہزار دل کو سنبھالا پہ اشک بہنے لگے

لٹا ہے شاہ نے لاشوں کو صحن میں رو کر جھکیں زمیں پہ سجدے کو زینبؑ مضطر
اٹھیں تو پہلے دعا شہ کو دی بدیدۂ تر پھر آئیں لاشوں کے نزدیک تھامے قلب و جگر

پکاریں شہ کے فدائی فدا ہوئے لوگو
مسافرانِ مدینہ جدا ہوئے لوگو!

کبھی بلائیں لیں جھک جھکا کے دونوں کی کئی بار کسی کے پاک گلے خون میں بھرے رخسار
لگا لگا کے گلے کہہ پکاریں با دلِ زار مسافرانِ عدم راہ سے ذرا ہشیار

نہ دن کو چین ہے نہ جائے خواب ہے پیارو
اکیلے جاتے ہو رستہ خراب ہے پیارو

بڑے پسر کو گلے سے لگا کے دی یہ صدا سن او عدم کے مسافر یہ ماں ہو تجھ پہ فدا
وطن سے آ کے مجھے آہ کر چلا تنہا جہاں ہو راہ میں شب دونوں ایک جا رہنا

خدا نہ ایک گھڑی میرا خورد سال رہے
یہ چھوٹا بھائی ہے بیٹا ذرا خیال رہے

ذکی خموش کہ اب مومنوں کو تاب نہیں اٹھا کے لے گئے خیمہ سے میتیں شہِ دیں
بکا سے زینبِ مضطر کی ہل رہی تھی زمیں اٹھا کے ہاتھ دعا کی کہ یا امامِ مبیں

رہے جہان میں ہر طرح آبرو میری
جو دل میں رکھتا ہوں پوری ہو آرزو میری

۷۸۶

حیاتِ قدیم

لُٹ گئی سب بہارِ باغِ انیسؔ
گُل ہوا آخری چراغِ انیسؔ

گردشِ دوراں نے بڑے بڑے خاندانوں کو ایسا تباہ کیا کہ آج نام لیوا بھی نظر نہیں آتا۔ فلک کجرفتار آباد اور بھرا گھر دیکھ نہیں سکتا لکھنؤ کی سرزمین پر ایک ایسا بھی خاندان تھا جس کی ہر فرد مجسمۂ کمال تھی ۔ یعنی

خاندانِ انیسؒ خدا نے بھائی دیے تو بے مثل و یگانہ ۔ یعنی حضرت انیسؔ و مونسؔ ۔ جن کے کمال کا سکہ اہلِ عالم کے دلوں پر آج تک بیٹھا ہوا ہے ۔

فرزند دیے تو یکتائے زمانہ ۔ یعنی (۱) نفیسؔ (۲) جلیسؔ (۳) سلیسؔ دنیا میں قیامت تک ان کا نام روشن رہنا واجب ہے ۔ حضرت نفیسؔ کے فرزند جناب دولھا صاحب عروجؔ مرحوم کو دنیا ایک لمحہ تک بھول نہیں سکتی ۔ ان کے فرزند جناب محمد حسن صاحب فائزؔ بھی یاد رکھنے کے قابل ہیں ۔ حضرت انیسؒ کے نواسے حضرت رشیدؔ نے دنیائے شاعری میں ڈنکے بجا دیے ۔ نیز نفیسؔ کے نواسے حضرت عارفؔ نے اپنے کمال کا دنیائے ادب میں سکہ جما دیا جن کے کمال کا آئینہ حضرت فائقؔ مرحوم تھے ۔

آخر دور میں جناب علی نواب صاحب قدیمؔ خلف جناب محمد صاحب رئیسؒ نے جو نام پیدا کیا وہ اہلِ عالم کی نظر سے پوشیدہ نہیں ۔ حضرت قدیمؔ کے بڑے بھائی جناب جلیسؔ اور منجھلے بھائی جناب عمیدؔ تھے حضرت جلیسؔ اپنے ہمعصروں میں بہ حیثیت خوش گوئی بہت آگے بڑھتے جا رہے تھے مگر موت نے وقت نہ دیا ۔ اور حضرت رشیدؔ سا شفیق خسر و استاد کفِ افسوس مل کے رہ گیا ۔

جناب قدیم پسرِ سلیمؔ رح خاندان انیسؔ کی آخری فرد تھے تقریباً ایک سال کا عرصہ ہوا کہ یہ آخری چراغ خاندان انیسؔ (جو) ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون اب صرف جناب عیورؔ کے ایک صاحبزادے نوعمر باقی ہیں۔ جنھیں خاندانی فن سے کوئی لگاؤ نہیں

رک گیا چل کے کاروانِ انیسؔ ہو گئی ختم داستانِ انیسؔ

حضرت قدیم بہت بڑے خوش گو تھے۔ ابھی تھوڑا زمانہ گزرا ہے۔ قدیم جدھر رُخ پھیر دیتے تھے اُدھر دنیا کا مُنھ پھر جاتا تھا۔ اہل لکھنؤ کلمہ پڑھ رہے تھے۔ اسی لکھنؤ میں مرحوم نے بادشاہی بھی کی اور اسی میں گدائی بھی۔

دس سال قبل ایسا وقت بھی آیا کہ جب سوائے چند مخلصین کے جن میں جناب نوحؔ مدظلہ شامل ہیں۔ دنیا نے اور اہل خاندان نے اس طرح روگردانی کی تھی کہ گویا کبھی کی جان پہچان ہی نہ تھی۔ آخری دور مرحوم کا نہایت پریشانی و غربت میں گزرا جس کا مفصل تذکرہ مناسب نہیں۔ اہل دنیا نے انیسؔ کے حقیقی پوتے کی کوئی قدر نہیں کی۔ اور کیوں کرتے۔ جب مقبرہ انیسؔ تعمیر نہ ہو سکا اور قبر انیسؔ پر پتھر نہ لگ سکا تو قدیم رح کو اگر نہیں پوچھا تو تعجب کی بات نہیں۔

بکثرت مراثی چھوڑ کے مرحوم نے انتقال کیا جو اپنی نظیر آپ ہیں۔ زوجہ کے پاس محفوظ ہیں بدقت ایک مرثیہ سرسی ضلع مراد آباد سے دستیاب ہوا وہ بھی جناب قمرؔ سرسوی کی ادب دوستی کی وجہ سے جو پیش کش ناظرین ہے۔ مرثیے اگر ممکن ہو گئے تو جلد از جلد مکمل جلد پیش کی جائے گی۔

۱۷ رجب ۱۳۷۰ھ کو مرحوم نے انتقال فرمایا اور مقبرہ جناب انیسؔ میں دفن ہوئے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

(ادارہ)

مرثیہ ۸۶

حضرت حجتؑ سے خطاب

(اور)

رخصت جناب عباس علیہ السلام

(بند ۶۳)

قدیم خادمِ اولادِ مصطفےٰ ہوں میں
رموزِ مدح سرائی سے آشنا ہوں میں
نہ مبتدی ہوں نہ محتاجِ عصر کا ہوں میں
خود اپنی جا پہ قیامت صفت بپا ہوں میں
کرو تو غور یہ ادنیٰ وقار ہے میرا
امامِ عصرؑ کو بھی انتظار ہے میرا

کہاں امامِ زماں اور کہاں یہ بے مقدار
وہ ابنِ ساقیِ کوثر میں اک ذلیل و خوار
وہ آفتاب میں ذرہ وہ ماہ میں شبِ تار
وہ بحرِ نور میں ظلمت کے آئینہ میں غبار
میں گردِ راہ وہ اختر کے کارواں کا امیر
میں سائلِ درِ دولت وہ دو جہاں کا امیر

میں اُس کا عبدِ گنہگار وہ مرا آقا
میں ایک جاہلِ مطلق وہ علم کا دریا
میں راہِ حق کا طلبگار وہ امامِ ہدیٰ
نصیریوں کے خدا کا پسر وہ، میں بندا
میں اس کے ایک ثناخواں انیسؔ کا پوتا
وہ جن و انس و ملک کے رئیس کا پوتا!

وہ انتظار کرے مجھ سے بے بضاعت کا　　خدا نے خود جسے بخشا ہو تاج امامت کا
مگر مقام تعجب کا ہے نہ حیرت کا　　شرف ہمارے لیے ہو تو ہے سیادت کا

شمار گو نہ سہی ہیں تو خاکساروں میں
نسب میں دور سہی ہیں تو رشتہ داروں میں

مری طرف سے کوئی کہہ دے اب حجاب کے شتاب　　یہی کوئی غیر نہیں ہوں کرو نہ مجھ سے حجاب
دکھا دو پھر خدا اک نظر عروج شباب　　لگا لو مجھ کو گلے سے الٹ دو رخ سے نقاب

ہے لب پہ چاہنے والے کا دم خدا کی قسم
حجاب ناز سے نکلو تمہیں حیا کی قسم

قرار دل کو نہیں جوش ہے یہ الفت کا　　ستا رہا ہے کلیجے کو درد فرقت کا
یہاں تک آنے میں گر ہرج ہے نزاکت کا　　تو دور ہی سے دکھا دو جمال صورت کا

نثار آپ پہ ہو لیں گے ہم اشاروں سے
عبث یہ شرم ہے اب اپنے جاں نثاروں سے

فگار ہے غم فرقت سے قلب خانہ خراب　　عمیق زخم یہ غیبت کا ہے تری سراب
حجاب جلوہ گہ حسن اب الٹ دے نقاب　　جگہ سے اپنی نکل بن کے مہر عالمتاب

چمک جو تیری ادھر ایک بار آ جائے
نگاہیں دیکھ لیں صورت قرار آ جائے

عدو نہیں ہیں تمہیں دل سے پیار کرتے ہیں　　کسی کی بات کا بھی اعتبار کرتے ہیں
غلط نہیں ہے جو درد آشکار کرتے ہیں　　تم آپ دیکھ لو ہم دل فگار کرتے ہیں

یہ کیا کہ چاہنے والے سے دور جا بیٹھے
چھپا کے رخ پس پردہ حضور جا بیٹھے

کب آؤ گے سر بالیں ہلاک ہوتا ہوں کبھی تڑپتا ہوں بستر پہ گاہ روتا ہوں
خیالِ غیبت کبریٰ میں جان کھوتا ہوں قسم لو آنکھوں سے میری جو شب کو سوتا ہوں

کہاں تک اب شبِ فرقت کا غم سہا جائے
چراغ عمر بجھا دو تو نیند آ جائے

ابھی جو رخ سے ہو اٹھنا حرام پردے کا کبھی تو ہو گا زمانہ تمام پردے کا
اگر ہو مدنظر اہتمام پردے کا کیا ہے ہم نے بھی کچھ انتظام پردے کا

میں صدقے ان کے عجب خوش صفات پردے ہیں
رہو تم آنکھ میں اس میں تو سات پردے ہیں

نہیں ہے آپ میں یہ تم پہ مرنے والا دل نفس نفس پہ دم الفت کا بھرنے والا دل
عدم کے نقش پہ صدقے اترنے والا دل فراق میں نہ گھڑی بھر ٹھہرنے والا دل

تدارک اس کا بقدر احتیاج کرو
تمھیں نے درد دیا ہے تمھیں علاج کرو

نہ آؤ گھر میں مرے تم اگر نہیں منظور تمھاری جو ہو خوشی اسمیں میں بھی ہوں مسرور
خلاف مصلحت وقت ہے تو کیا ہے ضرور جبھی اٹھائیو پردہ جب آئے وقت ظہور

کچھ اس دل کو دم اضطراب تو دو گے
میں بھیجتا ہوں عریضہ جواب تو دو گے

جو نکلے گھٹ کے دم اے سرزمین کوچۂ یار ہمیں بھی دیکھیو دو گز جگہ برائے مزار
نہاں ہیں آنکھوں سے ان کے تو پھول سے رخسار تو ہی جزیرۂ خضرا دکھا دے اپنی بہار

عیاں یہ بیچ میں دریا کے جلوہ تیرا ہے
کہ فرش آب پہ معصوم کا مصلا ہے

ہے سطح آب پہ تو اے جزیرۂ خضرا | کہ معجزے نے ابھارا ہے نقش پانی کا
بھرا ہے کلیوں سے قدرت نے دامن دریا | ہیں جسم آب پہ گلکاریاں یہ صنعِ علی

ہرا بھرا یہ جزیرہ ہے بحرِ اخضر میں
کہ تیرتی ہے زمرد کی ناؤ کوثر میں

جو بحر پہلے تھا ابیض وہ کیوں ہوا اخضر | عجب نہیں ہے یہ نکتہ جو اس میں ہو مضمر
نگاہ معجزہ پیما جو پڑ گئی اس پر | بہار رہ گئی دریا میں منجمد ہو کر

فزوں بہشت سے زینت ہے اس جزیرے کی
اسی بہار سے خلقت ہے اس جزیرے کی

نظر نہ اب بھی اگر واں کا سبزہ زار آیا | قسم امام حسنؑ کی میں زہر کھالوں گا
ہے کب جزیرۂ خضرا کا بحر میں جلوا | پڑا ہے چشمۂ حیواں میں خضرؑ کا بیڑا

چمن ہے ایک جزیرے میں اس قرینے کا
کہ جیسے لوح زبرجد پہ کام مینے کا

امام عصرؑ کی تفریح گاہ کیا کہنا | وہ سرزمین ہری وہ گیاہ کیا کہنا
تو رشکِ گلشنِ جنت ہے واہ کیا کہنا | بڑھا دیا مرا زورِ نگاہ کیا کہنا

خزاں نہ آئے گی یاں جب تلک خدائی ہے
بہار آب بقا میں نہا کے آئی ہے

بلند ایسے ہیں اشجار رشکِ کوہِ طور | جو گل کی شاخ سے لکھدیں فلک پہ سورۂ نور
ہیں ہم صفیرِ کلیمؑ اس چمن کے ہیں جو طیور | جھک جھک کے دعا کر رہے ہیں بہرِ ظہور

یہ زمزمے ہیں عنادل کی بھی زبانوں پر
گرا دے برق ہمارے بھی آشیانوں پر

کہا جو میں نے دکھا دے وہ پھول سے رخسار
کہا بڑھاؤ تو آنکھوں میں قوت دیدار
صدا جو دی ارنی کی کلیمؑ نے اک بار
کہا کہ تو بہ ترانی بہ شرط استقرار

یہ ہے جزیرۂ خضرا وہ طور تھا موسیٰؑ
یہاں میں خود ہوں وہاں میرا نور تھا موسیٰؑ

یہ مریض محبت ہے یہ شفا کی زمیں!
بچی ہوئی یہ قدرت سے ہے خدا کی زمیں
ہے کیا جہاں میں کوئی اور اس فضا کی زمیں
ندائے ہاتف غیب آئی کربلا کی زمیں

قدیم تو تو ہے ساحل پہ بحر اخضر کے
سوئے فرات نکل جا شناوری کر کے

وقار میں ہے وہ چشمہ بھی غیرت کوثر
ہوائیں دامن ساحل کی کھالے جی بھر کر
نہ کیوں ہو دید کے قابل درختوں کا منظر
کہ جیسے کاہکشاں زیر گنبد اخضر

جو دیکھ لے تو یہ کہدے گی خوش مذاق کی آنکھ
یہیں پہ رہ گئی الجھی ہوئی براق کی آنکھ

صفا میں صنعت اسکندری ہے سارا آب
نہیں شک اسمیں کہ قدرت کا ہے سنوارا آب
ہے بیقرار جو موجیں بنا ہے پیارا آب
یہ نہر کہتی ہے کوثر میں ہے ہمارا آب

ہے گو وہ خلد میں میں کربلا کے شہر میں ہوں
مگر انہیں کا ہے وہ بھی میں جن کے مہر میں ہوں

کہو جزیرۂ خضرا سے میرے پاس تو آئے
زمیں اپنی مرے سبز ساحلوں سے ملائے
اگر وہاں سے زیادہ فضا یہاں کی بھائے
تو غیرت نہیں آپس میں کیا کچھ یہیں رہ جائے

یہ گھر ہے سبط رسالت پناہ کا مسکن
تو وہ حسینؑ کے نذرنگاہ کا مسکن

نہیں شک اس میں کہ کوثر ہے میرا رتبہ شناس جو دیکھ لے مجھے بجھ جائے سلسبیل کی پیاس
یہ نخل سرو جو ساحل پہ ہے بلند اساس ہے نصب یہ علم سبز حضرت عباسؑ

جو ہے جزیرۂ خضرا مثال طوبیٰ سبز
تو یاں ہے عکس فگن نہر میں پھریرا سبز

کہا جزیرۂ خضرا نے ہمسرِ کوثر یہ نام کس کا لیا تو نے کون ہے یہ بشر
کیا ہے ذکر نے جس کے عجب دل پہ اثر علم سے ربط اسے کیا ہے کچھ بیان تو کر

کہا فرات نے یہ دل سے فدائے حسینؑ
یہی ہے روز جدال حامل لوائے حسینؑ

کیا جزیرۂ خضرا نے نہر سے یہ مقال کہ اس کی جنگ و جدل کا بیان کر اجمال
امام عصرؑ سے تو نے جو دی ہے اس کو مثال بتا تو مجھ کو کہ کیا کیا تھے اس جری میں کمال

کہا فرات نے واقف ہوں اس کے اوج سے میں
بیان کرتی ہوں حالت زبانِ موج سے میں

ہوں جس زمیں پہ یہ انداز دلبری کے عیاں وطن کو چھوڑ کے حسب الطلب بہ قلب تپاں
خدا کے فضل سے پہونچے ہیں جب حسینؑ یہاں رکاب تھامی تھی عباسؑ نے بعزت و شاں

کھٹکتے خارِ الم مضطرب دلوں میں تھے
حرم رسولؐ کے اسوار محملوں میں تھے

نظر نہ آئے کہیں بھی بلانے والے جب! ہوئے کمال پریشاں امام پاک نسب
کہا یہ سب سے نہ ظاہر ہوا کچھ اس کا سبب بلا کے ہم کو جو غربت میں بے خبر ہیں سب

نہیں ہے شرف دیں کے رتبہ داں ہیں کہاں
ہیں مہمان تو موجود، میزباں ہیں کہاں

یہ کہہ کے بھائی سے بولے امام خوش انجام — جگہ کرو کوئی تجویز اب برائے قیام
کہا انھوں نے ترائی ہے بس فضا کا مقام — جو حکم ہو تو یہیں ہوں بپا حرم کے خیام
عطش بھی بچوں کو گرمی سے اضطراب بھی ہے
یہاں ہوا بھی ہے ٹھنڈی قریب آب بھی ہے

ابھی خیام فلک احتشام شاہ ہدا — باہتمام علمدار ہو رہے تھے بپا
نظر کے سامنے ناگاہ اک غبار اٹھا — نشان لشکر ارباب بغض و کیں پہنچا
سنبھالے ہاتھوں میں بھالوں کو صف بصف آئے
فرس اڑاتے ہوئے سب اسی طرف آئے

تھے جو اک سر وحشت دشمن اسلام — کہا یہ بڑھ کے انھوں نے کہ یا امام انام
یہ ہے قیام گہ فوج روم و کوفہ و شام — مقام اور کوئی ڈھونڈھیے پئے آرام
غرض نبی سے ہے مطلب نہ کچھ امام سے ہے
کسی کو دکھ ہو ہمیں کام اپنے کام سے ہے

امیر شام کی فوجیں ہیں یہ فرستادہ — یہ سب کی سب ستم و ظلم پر ہیں آمادہ
نہ ہونے دیں گی ترائی میں خیمے استادہ — امام زادہ ہو کوئی کہ ہو نبی زادہ
رسول سے بھی جدال کو روا سمجھتے ہیں
امیر شام کو ہم سب خدا سمجھتے ہیں

سخن یہ سن کے علمدار لشکر سرور — دبا کے دانتوں میں لب کانپنے لگے تھر تھر
بدل کے تیوریاں کھینچی غضب میں تیغ دو سر — دکھائی چہرے نے تصویر فاتح خیبر
کہا چڑھا کے یہ مرفق تلک آستینوں کو
ہمارے سامنے یہ جرأت ان لعینوں کو

امامِ دیں نے جو دیکھا کہ کھنچ گئی تلوار قریب آگئے بھائی کے چھیڑ کر رہوار
گلے لگا کے کہا اس جلال کے میں نثار نظر میں پھر گئی تصویرِ شیرِ کرار
حسام روک لو گر چاہتے ہو بھائی کو
ہمارے کہنے سے تم چھوڑ دو ترائی کو

نظر میں تھا جو امامِ انام کا اجلال دلیر ہو گیا مایوس کم ہوا وہ جلال
جھکا دیا سر کو بصد انکسار و اضمحلال یہ کہہ کے میان میں کی تیغِ ذوالفقار مثال
ابھی تو آپ کے کہنے سے ضبط کر لوں گا
مگر خدا نے جو چاہا تو پھر خبر لوں گا

ہٹا فرات سے جب ابنِ ساقیِ کوثر تو فوجِ شام نے قبضہ کیا ترائی پر
تڑپ تڑپ کے بصد کرب با دلِ مضطر زمینِ گرم پہ تشنہ نے کیے چھ روز بسر
ہوئی جو ساتویں تاریخ بند آب ہوا
عطش کی آگ سے بچوں کا دل کباب ہوا

جہاں میں آئی جو سر کھول کر شبِ عاشور سیاہ پوش ہوا دن موافقِ دستور
اُڑا جو زخمِ دلِ عندلیب سے کافور تو قبلِ وقت فلک پر ہوا سحر کا ظہور
اذاں کی شان گلستاں نے بھی دکھائی تھی
لباسِ سبز پہن کر بہار آئی تھی

صدا دی فضہ نے ناگاہ اے امامِ زماں کہاں ہیں حضرت عباسؑ آئیں جلد یہاں
سکینہ غش ہوئی باقی نہیں ہے تن میں تواں عطش ہے حد کی تو منہ سے نکل پڑی ہے زباں
نہ آنکھ کھولتی ہے اور نہ سانس آتی ہے
غضب ہے پیاس میں ننھی سی جان جاتی ہے

یہ سُنکے حضرت عباسؑ کو نہ تاب آئی
ہو اُنگار جگر غم کی وہ چھری کھائی
یہ رو کے کہتا تھا حضرت ؑ شہ کا شیدائی
فلک نے کیا یہ خبر جیتے جی ہے سنوائی
یہ ایسا غم نہیں عباسؑ سے سہا جائے
جو اُس پہ آئی ہو یارب وہ مجھ پہ آجائے

سُنے جو شاہ نے عباسؑ سے کلام یاس
چلے حرم میں لیے ساتھ اکبرؑ و عباسؑ
ملاحظہ جو کیا جا کے بی بیوں کا ہراس
برہنہ سر ہیں کسی کے بجا نہیں ہیں حواس
رخوں پہ اشک ہیں جاری لبوں پہ آہیں ہیں
اُٹھے ہیں ہاتھ سوئے آسمان نگاہیں ہیں

اٹھا کے گود میں عباسؑ نے سکینہ کو
یہ پیار کر کے کہا میری جان کچھ بولو
کہا کہ مرتی ہوں اب آب پانی پلوا دو
کلیجے میں مرے اک آگ ہے لگی دیکھو
جو اب بھی نہر سے پانی نہ بھر کے لاؤ گے
تو اپنی پیاری بھتیجی کو پھر نہ پاؤ گے

جو اضطراب ہوا کم تو زینبؑ مضطر
قریب شاہ کے آکر یہ بولی خستہ جگر
کوئی تو صلح کی تدبیر کیجیے سرور
بغیر اس کے بچے جان آپ کی کیونکر
سمجھیے اتنا جو کچھ آپ پر بن آئے گی
تو پہلے زینبؑ مضطر کی جان جائے گی

ادھر بہن سے کہا شاہ نے نہ غم کھاؤ
مشیت اوس کی ہے جو زور کیا کسی کا بتاؤ
وہی ہے حافظ و حامی نہ دل میں گھبراؤ
تبرکات کا صندوق اے بہن لاؤ
امام میں ہوں مجھے تیغ تیز و دم دیدو
علیؑ ہیں یا نشان میں عباسؑ انھیں علم دیدو

اٹھیں یہ سُن کے بہ تعجیل زینبِؑ دلگیر نکال کر علم و ذوالفقار برق نظر
نبیؐ کے لال کی خدمت میں لائیں بے تاخیر خیال باپ کا آیا تو رو دیے شبیرؑ
پھر اپنے زیب کمر تیغ تیز دم کو کیا
سپرد حضرت عباسؑ کے علم کو کیا

ابھی ہوئے تھے مراسم نہ تہنیت کے ادا کہ ناگہاں یہ پئے شہ میں طبل جنگ بجا
زمیں پہ ٹیک کے تیغ علیؑ اُٹھے مولا اُٹھا کے خیمہ کا پردہ اکھڑی ہوئی فضہ
لگا کے تیغ علیؑ شاہ دوسرا نکلے
علم لیے ہوئے عباسؑ باوفا نکلے

عجیب شان سے نکلا وہ بازوئے سرورؑ گئے تھے جیسے کہ خیبر میں حیدرؑ صفدر
پھر آج ساقیا پلوا دے وہ مئے اطہر اڑی غدیر کے میداں میں جو کہ بے ساغر
اُسی کی پھر دلِ میکش کو چاہ ہے ساقی
نہ پینا حب کا محب کو گناہ ہے ساقی

سحاب بن کے برس ہے یہ امتحاں ساقی تلاش تجھ کو کیا ہے کہاں کہاں ساقی
جو طاقِ کعبہ پہ ہو جام دل ستاں ساقی لگا دے دوش پیمبرؐ کی نردباں ساقی
جلا کے کفر کی بستی کو خاک کرتا آ
خدا کے گھر کو بتوں سے بھی پاک کرتا آ

پلا دے آج مجھے ساقیا تو ایسی شراب! کہ اُبلے میرے مساماتِ جسم سے مئے ناب
دکھا دے شکل امامت ہٹا دے رُخ سے نقاب مریضِ ہجر کی حالت بہت ہوئی ہے خراب
اب اس قدر نہ غم انتظار دے ساقی
یہ ڈوبتی ہوئی نبضیں اُبھار دے ساقی

اگر ہوں جام نرالے تو ہو ترالی مے
ان اہل بزم کے دل کو جو دے بحالی مے
یہ سب ہی مانگ رہے ہیں غدیر والی مے
انھیں بھی دے تو پیوں میں لونگا خالی مے
نہیں یہ لوگ نبیؐ کی مصاحبت والے
نہ تیرے حق کو بھلائیں گے تیرے متوالے

پیوں وہ قند مکرر جو دے دوبارا جام
سوا ہو زور قلم دے اگر سہارا جام
ابھی سے روک لیا ہاتھ دے گیارا جام
اک اور ہے ترے ذمے ابھی ہمارا جام
اسی شمار پہ تو ختم بس امامت ہے
نہ دے گا بارھواں ساقی تو پھر قیامت ہے

وہ دیکھ ساقی کوثر رفیقوں کی حالت
کھڑے ہیں سامنے اصحاب بیٹھے ہیں حضرت
ہر اک کی جوش شجاعت سے سرخ ہے رنگت
دوبارا جی گئے مرنے کی جب ملی فرصت
غرض کہ آئے بھی میداں میں اور گزر بھی گئے
وغا کا اذن بھی پایا لڑے بھی مر بھی گئے

وہ وقت اب ہے کہ باقی نہیں کوئی یاور
شہید ہو گئے مسلم کے بھی یتیم پسر
نثار کر چکیں زینبؑ بھی اپنے لخت جگر
حسینؑ آئے ہیں قاسمؑ کی لاش کو لے کر
زباں پہ اہل حرم کی یہ نوحہ برپا تھا
وہ آئے ہیں جنھیں نوشہ ابھی بنایا تھا

ہر ایک تھا غم نوشاہ سے اداس اداس
نہ تھے شبیہ نبیؐ کے درست ہوش و حواس
امام پاک کے بھی لب پہ تھے کلام یاس
مگر کھڑے تھے الگ سب سے حضرت عباسؑ
نگاہ تیغ کے قبضہ سے جھک کے لڑتی تھی
وفور غیظ سے تلوار اگلی پڑتی تھی!

ملال بڑھتے ہی بس اور ہو گئے تیور بپھر گیا سرِ میداں علیؑ کا شیر نر
جری نے غیظ میں آواز دی بچشم تر چچا نثار خبردار باپ سے اکبر

لعیں غریب سمجھ کر بہت ستاتے ہیں
امام پاک سے ہشیار ہم تو جاتے ہیں

غرض کہ اذن ملا خیمہ میں چلا صفدر کمر کسے ہوئے لڑنے پہ صورت حیدرؑ
ہنوز تھا ابھی کچھ دور خیمۂ اطہر جو آئی کان میں آواز زینبؑ مضطر

کسے بلاؤں مدد کے لیے دہائی ہے
اکیلا نرغۂ اعدا میں میرا بھائی ہے

گیا جو خیمۂ ناموس میں وہ نیک اساس ہر ایک تھا غم نوشاہ سے اداس اداس
پکاری بنت علیؑ کرکے اک نگاہ یاس مزاج کیا ہے آکے ہو کس لیے عباسؑ

غرض یہ ہے کوئی تازہ ملال لائے ہو
مرے غریب کو تم کس پہ چھوڑ آئے ہو

کہا جری نے کہ ہے فوج شام کا نرغا رضا ملے مجھے جلدی اکیلے ہیں آقا
خموش ہوگئی یہ سن کے دختر زہراؑ یقین ہوگیا بھائی نہ اب بچے گا مرا

صدا یہ دی کہ ترستی ہوں حسینؑ کو بابا
نجف سے آکے بچا لو حسینؑ کو بابا

سحر سے نالہ کناں ہے ہر ایک سیدانی دلوں کا خون کئے دیتی ہے پریشانی
کہا سکینہؑ نے ہے پیاس کی فراوانی چچا کہیں سے مجھے لا کے دیجیے پانی

لگی ہے آگ قیامت کی قلب سوزاں میں
بجھا کے پیاس مری جائیے گا میداں میں

کہا جری نے ہمیں پہلے ہی تھا یہ خیال
خدا کے واسطے اتنا نہ ہو پریشاں حال
کہا سکینہ نے ہے آپ کا فراق محال
کہا جری نے کہ ہے دو قدم یہ دشت قتال
خدا نے چاہا تو پانی کا جام لائیں گے
خود اپنے ہاتھ سے بی بی کو ہم پلائیں گے

مقام غور ہے امید کیا بری ہے بلا
یقین آ گیا دامن چچا کا چھوڑ دیا
محل جو کوئی نہ پایا ذرا ٹھہرنے کا
کمر کو کس کے دوبارہ علیؑ کا لال چلا
دعا حرم کی یہ تھی ذکر یہ کہانی ہوں
کریم آپ کی جو سختیاں ہیں پانی ہوں

کہا یہ زوجہ نے صورت ذرا دکھاتے جاؤ
کھڑے ہیں سامنے بچے گلے لگاتے جاؤ
لگی ہے آگ جو دل میں اُسے بجھاتے جاؤ
ملو گے حشر میں کس جا مجھے بتاتے جاؤ
نہ سہہ سکوں گی میں دل پر جفا رنڈاپے کی
سُنی ہے موت سے بدتر بلا رنڈاپے کی

لگایا سینہ سے بچوں کو خوب پیار کیا
کہا کہ بعد مرے گُھر کیں جب تمہیں اعدا
مجھے نہ رو رو کے اس دم پکاریو بیٹا
جو باندھیں رسی میں گردن تو سر جھکا لینا
جدا نہ ساتھ سے مادر کے ہونا اے پیارو
نہ یاد کر کے مجھے شب کو رونا اے پیارو

جھکا کے سر کہا اس میں نہ ہوگا فرق ذرا
سُنا ہے لوٹنے رانڈوں کو آئیں گے اعدا
جو چھینی اماں کی چادر نہ ضبط ہوئے گا
خطا معاف علیؑ سے ہوں شیر کا پوتا
اسیر ہو کے پھروں گا نہ میں زمانے میں
نہ بندھ کے جاؤں گا رسی سے قید خانے میں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حیات ماہر

لکھنؤ گلزار تھا وہ جان گلشن اب کہاں
شاعری اک خاص فن تھا ماہر فن اب کہاں

واہ رے لکھنؤ تیرا کیا کہنا۔ تو نے عجیب عجیب باکمال ہستیاں پیدا کیں۔ سرزمین لکھنؤ میں فن شعر و سخن کے متعلق کسی خاندان کسی قبیلے کی خصوصیت نہیں۔ یہ مانا کہ چند خاندان ذمہ دار فن کی حیثیت سے ایک خاص منزل تک پہونچ گئے لیکن دوسرے خاندان کے افراد نے بھی خداداد قوت کا مظاہرہ کیا۔ خصوصاً خاندان اجتہاد جس کی بعض فردوں نے اپنا لوہا منوا دیا۔ جہاں قابل ذکر حضرت سجاد بیدو فاخر و ذاخر و حسین و خورشید وغیرہم رحمہم اللہ ہیں وہاں فرد فرید ایک ہستی اور بھی ہے جس کا سلسلۂ نسب حضرت غفرانمآب سے ملتا ہے۔ نام نامی۔ جناب مولوی سید مہدی حسین صاحب المتخلص بہ ماہر ابن زین العلماء مولانا سید علی حسین صاحبؒ ابن جناب سید العلماء علیین مکان مولانا سید حسین صاحبؒ ابن حضرت غفرانمآب مولوی سید دلدار علی صاحب رحمۃ اللہ آپ کا سکہ تمام شعرائے عہد کے دلوں پر بیٹھا ہوا تھا غزل گوئی میں ایک خاص رنگ کے مالک تھے۔ اکثر وہ مشاعرے جن میں بڑے بڑے اساتذہ شریک ہوتے تھے چند شعر پڑھ کے لوٹ لیے آپ کی نازک خیالی اور ندرت تخئیل ضرب المثل تھی ایک دیوان بھی آپ کا طبع ہو چکا ہے۔ آپ مرثیہ گویوں کی صف میں ایک لاجواب مداح مان لیے گئے تھے آپکے بہت بڑے بڑے مرثیے دشمنان زبان و ادب کے پاس صندوقچوں میں بند ہیں جن کی کثیر قیمت مانگنے کی وجہ سے حاصل کرنا دشوار ہو گیا ہے۔

انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب انجمن محافظ اردو کسی نہ کسی طرح حاصل کر کے مستقل جلد شائع کرے گی۔

جناب سید میرزا صاحب تعشق علیہ الرحمہ سے خاص تعلقات تھے موصوف حضرت ماہر کو بڑی عزت

نواب مولوی سید مہدی حسین صاحب

ماہر لکھنوی

کی نظر سے دیکھتے تھے اور خوش گوئی کے ایسے قائل تھے کہ اکثر و بیشتر رطب اللسان رہتے تھے۔ آپ
رؤسائے شہر میں شمار کئے جاتے تھے۔ آپ کی دولت کا سب سے بڑا حصہ عزائے سید الشہدا میں صرف ہوا۔
آپ کے مجالس کا اہتمام و انتظام اور خوش آئینی زبان زد خلائق ہے۔ ایک عمارت جو اپنی نوعیت کی
انوکھی عمارت ہے تعمیر کرائی تھی جس میں مجالس برپا کرتے تھے۔ جو انقلاب کی رو میں فروخت ہوگئی
لیکن مکین کی خوش نیتی اور مکان کی خوش قسمتی یہ ہے کہ مالک نظامی پریس جناب محمد جواد صاحب
نے وہ عمارت خرید لی۔ جو اب تک اچھی حالت میں ہے اور مجالس جناب سید الشہدا برپا ہوتے رہتے ہیں
آپ کے دو صاحبزادے تھے (۱) جناب سید نظیر حسین صاحب عرف بڑے صاحب مرحوم (۲) جناب
سید عابد حسین صاحب عرف چھوٹے صاحب مرحوم۔ دو صاحبزادیاں جن میں ایک کی شادی جناب
مولوی لڈن صاحب خورشید رح کے ساتھ ہوئی تھی دوسری کی شادی جناب جھنگا صاحب حسین رح
کے ساتھ ہوئی تھی اتفاق سے دونوں داماد خاندانی خوش گو شاعر تھے بالخصوص مولوی لڈن صاحب
خورشید جن کا اساتذہ عہد میں شمار تھا علم عروض میں خاص مہارت تھی۔ ان کی ایک تصنیف جس کا
نام (افادات) ہے نہایت لاجواب و عدیم المثال تصنیف ہے جو اب نایاب ہے۔

حضرت ماہر مرحوم کے چھوٹے صاحبزادے چھ گھوڑوں کی اور کبھی چار گھوڑوں کی گاڑی
پر نکلتے تھے۔ تعریف یہ تھی کہ گھوڑے قابو میں رہتے تھے اور گاڑی خود چلاتے تھے اور بہت کم
جگہ میں نہایت خوبصورتی سے گاڑی موڑ لیتے تھے۔

حضرت ماہر کا انتقال غالباً ۱۹۰۴ء میں ہوا اور امامباڑہ جناب غفرانمآب میں
اندر کے درجے میں دفن ہوئے۔

خدا اغریق رحمت فرمائے۔

(ادارہ)

۷۸۶

در حال جناب سید الشہداء امام حسین علیہ السلام

(بند ۱۴۷)

گردوں پہ جب کھلا علم زرفشان صبح — ہونے لگے افق سے نمایاں نشان صبح
شاخوں پہ نغمہ سنج ہوئے طائران صبح — اکبر نے دی سپاہ خدا میں اذان صبح
آگاہ تھے جو راہ حصول ثواب سے
اٹھے سب آنکھیں ملتے ہوئے فرش خواب سے

خیمے کے در سے اک نئے فلک پر نگاہ کی — اک تشنہ لب نے سرد ہوا کھا کے واہ کی
بستر لپیٹ کر کسی جاگے نے آہ کی — دیکھی کسی نے غور سے کثرت سپاہ کی
نکلے دلیر عہد وفا باندھتے ہوئے
ڈیوڑھی پہ آئے بند قبا باندھتے ہوئے

ڈنکوں پہ صبح دم کی جو چوبیں پڑیں ادھر — ضرب تیمی سے بجیں نوبتیں ادھر
آئی نہ شکل آب وضو سب کو کوئی نظر — مارے سبھوں نے ہاتھ تاسف سے خاک پر
مطلب یہ تھا کہ غم سے جگر چاک چاک ہے
پانی نہیں وضو کو تو دنیا پہ خاک ہے

تھا ہر جری نماز سحر کے شتاب میں — کپڑے پہن رہا تھا کوئی اضطراب میں
سب جو رتھے دلائے ولایت مآب میں — لشکر سے بڑھ گیا تھا کوئی سعی آب میں
کہتے تھے کچھ تو آب کی ہم جستجو کریں
یہ عزم ہے کہ نہر پہ جا کر وضو کریں

دو دن کی پیاس میں وہ زباں کی طلاقتیں — فاقے میں تین دن کے وہ رُخ کی بشاشتیں
باتیں حدیث جن کی سخن جن کے آیتیں — مرغوب شاہ جو، وہ زباں میں فصاحتیں
حُسنِ بیاں کو اہلِ بلاغت سے پوچھیے
باتوں میں جو مزا تھا وہ حضرت سے پوچھیے

وہ رُعب چتونوں میں وہ ہیبت کہ الحذر — آنکھیں غزال اُن کی، مگر شیر کی نظر
جنگ آزما، دلیر، اولوالعزم، پُر جگر — واقف کلام حق سے حدیثوں سے باخبر
بے چین حسرتوں میں وصال و وصول کی
قرآں زباں پہ، کانوں میں باتیں رسولؐ کی

جُھکی بھویں وہ جن سے خجل ماہ یک شبہ — سجدوں کے وہ نشان، رخوں کا وہ کوکبہ
فوجوں کو جو دبائے وہ شیروں کا دبدبہ — گہ سر سوئے فلک کبھی پہروں مراقبہ
کہتے تھے جان نثار تو جنت میں سوئیں گے
کیا گزرے گی حسینؑ پہ جب ہم نہ ہوئیں گے

مہرو کوئی حسین تو کوئی آفتاب رو — وہ دبدبہ وہ شان وہ صولت وہ آبرو
مصحف عذار کوئی، تو کوئی کتاب رو — اک تازہ آئینہ تھے وہ باآب و تاب رو
جلوہ تھا اس کے حسن کا اس روئے نقاب میں
[illegible] صاف ایک کا نظر آتا تھا ایک میں

اُلٹا جہاں، جو دانتوں میں غصّہ سے لب دبے — یہ بھی دبیں جو ابنِ امیرِ عرب دبے
جب یہ بڑھے تو نوجوں میں سب بے ادب دبے — لشکر دبا ہوا تھا غضب کے تھے دبدبے
ہلچل نہ کیوں ہو فوجِ ضلالت پناہ میں
اتنے اسد ٹہل رہے تھے رزم گاہ میں

وہ گورے گورے جسم قبا میں وہ شبنمی — گرمی کا تو نچوڑ مگر آب کی کمی!
لب خشک اور نہ چشم میں ہی نام کو نمی — راتوں کے جاگنے کی وہ تھیں پہ برہمی
آنکھیں غضب سے غازیوں کی لالہ رنگ ہیں
تیوروں سے یہ عیاں ہو کہ جینے سے تنگ ہیں

یوں آزمودہ کار وہ ہنگام رستمی — تلوار جس طرح سے کوئی ہو گئی دمی
پلکیں تھیں وہ کہ تھی صفِ ہیجا میں برہمی — فوجیں بھگائیے پہ دلوں میں ہما ہمی
ابرو پہ بل تھے برچھیوں والوں کو دیکھ کر
بپھرے ہوئے تھے شیر غزالوں کو دیکھ کر

ناگاہ غل ہوا شہِ گردوں رکاب آئے — پردہ حرم سرا کا اُٹھا لو جناب آئے
یوں یاوروں میں سبطِ رسالت مآب آئے — تاروں میں جس طرح سے نظر ماہتاب آئے
لامع جو نورِ چہرۂ پُر نور ہو گیا
رنگِ سحر بھی شرم سے کافور ہو گیا

سجادے پہ امامِ فلک بارگاہ آئے — بہرِ سلام جملہ رفیقانِ شاہ آئے
خیمے میں یوں حضور بصد عز و جاہ آئے — گویا پئے نماز رسالت پناہ آئے
ضو ماہ و آفتاب کی نظروں سے گر گئی
صورت رسولِ پاک کی آنکھوں میں پھر گئی

قد قامت الصلوٰۃ مکبر نے جب کہا اُٹھا پئے نماز دو عالم کا پیشوا!
وہ سب کی قرائتیں وہ سماعت وہ اقتدا کہتی تھی بندگی کہ یہ ہی طاعت خدا

وصف ان کا جن و انس و ملک سے رقم نہ ہو
ڈھونڈھیں تو حشر تک یہ جماعت بہم نہ ہو

فارغ نماز سے جو سپاہ خدا ہوئی روشن جمال شاہ سے دولت سرا ہوئی
جاں آگئی قبول ہر اک کی دعا ہوئی تیاری لوائے ظفر اختہ ا ہوئی!

پڑکا تو آنکھیں ملنے کو تھا رب کے ہاتھ میں
چوب علم تھی حضرت زینبؑ کے ہاتھ میں

تکتی تھی غور سے کوئی رایت کی عز وشاں بوئے رسول پاک سے مہکا تھا سب جہاں
ہر جا علیؑ کے ہاتھ کے پیدا تھے جو نشاں آنکھوں سے مل رہی تھیں پھر یرکو بی بیاں

مضطر تھے اہلبیت تو سب اس خیال میں
وہ اور کچھ تھا روتے تھے شہ جس خیال میں

سلجھا کے تار کوئی تو سہرا چڑھا گئی کوئی بلائیں لے کے علم کو ہلا گئی
رعشہ ہوا کسی کو کوئی تھر تھرا گئی اصغر کی آنکھ سے کوئی ٹپکا لگا گئی

روئی وہ منہ کو شاہ کی جانب سے موڑ کے
حلقہ یہ باندھنے لگی بالوں کو توڑ کے

روتے تھے اہلبیتؑ رسالت تو زار زار شوق علم میں عونؑ و محمدؑ تھے بیقرار
بل کھا رہے تھے دوش پہ گیسوئے تابدار دامن کمر میں ہاتھوں میں تیغیں تھیں آبدار

پیدا اُرخوں سے شوکت شیر الٰہ تھی!
گہ ماں کی سمت گاہ علم پر نگاہ تھی

ٹہلے کبھی تو جوش میں اور گاہ دم لیا — گہہ منہ سے نام جعفر عالی ہمم لیا
ثابت تھا کوئی دم میں ظفر نے قدم لیا — اب کی یہ اپنی جا سے بڑھے اور علم لیا

حضرت کو مژدۂ ظفری دے کے آئیں گے
بڑھنا یہ کہتا تھا کہ علم لے کے آئیں گے

ناگہ علم نے صحن میں رونق فزائی کی — حسرت تھی خود نشان نے بھی پیشوائی کی
نکلا علم عروس نے یا رونمائی کی — چمکے نصیب بخت رسا نے رسائی کی

ثابت ہوا نشاں جو زمیں سے اٹھا لیا
معشوق سرو قد کو گلے سے لگا لیا

دونوں دلاوروں کو جو شوق لوا ہوا — برہم مزاج دختر خیر النسا ہوا
فرمایا خیر تو ہے نیا ماجرا ہوا — اچھے بھلے ابھی تھے یکایک یہ کیا ہوا

حیراں ہوں کیوں نہ شرم و خجالت سے گڑ گئے
رایت کا دیکھنا تھا کہ تیور بگڑ گئے

جب سے علم نکلنے کی دیکھی ہے ہول جول! — بگڑے ہوئے ہیں دیکھتی ہوں تیوروں کے ڈول
کیوں نا! مرے تمہارے یہی تھا قرار و قول — بچو تمہاری باتوں سے آتا ہے مجھ کو ہول

ہے آج ادعا علم باوقار کا
دعویٰ کرو گے کل مری جاں ذوالفقار کا

گر ذرا ننھے سے دامنوں کے کیا مآل ہے — زلفوں کا پیچ و تاب میں کیوں بال بال ہے
صورت سے آشکار علی کا جلال ہے — ماں کے بھی کچھ ملال کا تم کو خیال ہے

پوچھا نہ یہ کہ کون سے اندوہ و غم میں ہو
ماموں سے ہیچ ہو تم تو خیال علم میں ہو

مجھکو بھلی لگی یہ تمھاری نہ آن بان!
ماں کی نصیحتوں کا رہا کچھ نہ تم کو دھیان
میں خوب جانتی ہوں جو دل میں ہے میری جان
اس سن میں اور یہ پیچ کی باتیں خدا کی شان
ماں برہمی طبع کو بھی جانتی نہیں؟
روئی ہوئی بھی آنکھ کو پہچانتی نہیں؟

آتا نہیں خیال کہ ماموں یہ ہیں الم!
سُن کر یہ کیا کہیں گے شہنشاہ باکرم
اس کے علاوہ مجھ کو یہ حیرت ہے دمبدم
حیدر جسے اٹھاتے تھے یہ ہے وہی علم
یہ کام غیر بازوئے سرور کسی کا ہے؟
سمجھے ہو کھیل جس کو یہ رایت نبی کا ہے

اتنا تو سمجھو مُنھ سے نکالا کلام کیا
ماں دُکھ زدی کو دے رہے ہو یہ پیام کیا
سُنکر اسے کہے گا ہر اک خاص عام کیا
لوگوں اچھوتی چیز سے بچوں کو کام کیا
کچھ تو کہو کہ کوئی بھی اس میں فلاح ہے
کیا یہ مشورہ ہے یہ کیسی صلاح ہے

بتلاؤ کچھ خیال شہ بحر و بر بھی ہے
تم دونوں میں نگاہ کسی کی اُدھر بھی ہے
باتیں تو ہیں علم کی کسی پر نظر بھی ہے
چھوٹی بہو علیؑ کی کھڑی ہے خبر بھی ہے
کوئی نہ صورت الم و یاس دیکھ لے
سر کو کہیں نہ زوجہ عباسؑ دیکھ لے

آفت میں ہیں مسافر صحرائے کربلا
فوجوں پہ فوجیں آتی ہیں محشر ہے اک بپا
سید ہیں تین دن سے مصیبت میں مبتلا
کیوں ان گنوں پہ شہ کی غلامی کا ادعا
پاس سخن نہ فکر شہ خوش صفات ہے
دنیا میں سب بُرا کہیں اچھی یہ بات ہے

اُلٹے ہوئے آستینوں کو ہے شوق اس قدر — باتیں تھیں مجھ سے اور علم کی طرف نظر
ہے کچھ نہ فکر اخذِ علم یہ سہی مگر — رکھو تو سر پہ ہاتھ مرے سچ ہے یہ اگر
واقف ہے ماں بھی بیٹوں کی باتوں کے پھیر سے
سنتی تھی میں صلاح جو ہوتی تھی دیر سے

اچھا ملا بھی فوج خدا کا اگر نشان — اپنے کو یا علم کو سنبھالو گے میری جان
طاقت پہ کچھ نظر ہے نہ اپنے قویٰ پہ دھیان — نام خدا یہ سن یہ ارادے یہ آن بان
وسواس کی جگہ ہے نہ کیوں واہما کروں
ٹھنڈا اگر علم ہو تو اُس وقت کیا کروں

گر مرد ہو تو صدمہ آلام و غم اُٹھاؤ — بیٹھو فرس پہ ہاتھوں میں تیغ دودم اُٹھاؤ
آفت پہ آفت ابر ستم پر ستم اُٹھاؤ — کرنی ہو طے یہ راہ تو جلدی قدم اُٹھاؤ
روتی ہوں اس لیے میں حزیں پھوٹ پھوٹ کے
ڈرتی ہوں قافلہ سے نہ رہ جاؤ چھوٹ کے

گر یہ کہوں کہ سن کے تقاضے سے یہ ہوا — مُسلم کے لال کیوں نہ ہوئے طالب لوا؟
حکم نبیؐ بغیر نہ جعفرؑ نے بھی لیا — تم کون تھے جو پاس علم کے گئے بھلا
لو دونوں اک علم کی طرف ساتھ بڑھ گئے
جعفرؑ کی بھی ہوس سے کئی ہاتھ بڑھ گئے

اب چاہو میرے سر کی قسم یوں ہی کھا بھی لو — مانوں نہ میں ہزار جو باتیں بنا بھی لو
دل میں تھا یہ خیال کہ زور آزما بھی لو — دامن کمر میں رکھ کے علم کو اٹھا بھی لو
یہ بھی تمہارے واسطے اک سیر ہو گئی
میں آ گئی کہو یہ بڑی خیر ہو گئی

باتیں یہ ہو رہی تھیں بصد صدمہ و محن — اتنے میں آکے کہنے لگے سرور زمن
اک امر لازمی مجھے درپیش ہے بہن — آؤ الگ تو تم سے کہے کچھ یہ بے وطن
ہر مصلحت میں حق یہ نظر ہو تو خوب ہے
چھوٹی بہن بھی ساتھ اگر ہو تو خوب ہے

یہ کہہ کے شہ نے پاس سے سب کو ہٹا دیا — عباسؑ نے بھی خیمے کا پردہ گرا دیا
حضرت نے دل میں سوچ کے کچھ مسکرا دیا — ذکر علم نے بھائی بہن کو ہنسا دیا
خلوت پسند رائے شہ کائنات تھی
بولی بہن کہ دائمی پردے کی بات تھی

بھائی بہن میں ہوتی تھی کچھ گفتگو اُدھر — باہر ٹہل رہے تھے علمدار نامور
تھا اہتمام یہ کہ نہ آئے کوئی ادھر — مشغول مشورہ ہیں شہنشاہ بحر و بر
سب کو تو منع کرتے تھے حکم حضور سے
پر آپ خود کھڑے ہوئے سُنتے تھے دُور سے

ان کی یہ شکل اور رفقا کا یہ حال تھا — شائق ہر اک لوائے نبیؐ کا کمال تھا
تجویزیں ہو رہی تھیں جواب و سوال تھا — سب کو بہ مقتضائے خرد اک خیال تھا
کہتے تھے ایسے راز بھی دنیا میں کم کُھلے
نکلیں حضور جلد کہ حال علم کُھلے

باتیں ادھر یہ شہ کے عزیزوں میں ہوتی تھیں — زینب سے کہہ رہے تھے اُدھر یہ امام دیں
شب سے عجب طرح کے ہیں خلفشے میں یہ حزیں — ہو کون حامل علم ختم مُرسلیں
کس کو علم دوں، غم میں کسے مبتلا کروں
کچھ بات مجھ کو بن نہیں پڑتی میں کیا کروں

دیتا ہے طمانچوں کو عَلَم گریۂ تن — ہے یہ خیال ایک علم، دو میں صف شکن
حیراں ہے اس جگہ پہ یہ مظلوم بے وطن — اب تم علم کے باب میں کیا کہتی ہو بہن
اُس کی خوشی کروں تو اسے بھی تو غم نہ دوں
ہوگا ملول ان میں سے جس کو علم نہ دوں

کیا جانیے مشیتِ ربِّ عُلا ہے کیا — اس وقت کی صلاح ہے کیا، اقتضا ہے کیا
مجھکو یہی ہے فکر کہ یاں پر روا ہے کیا — بتلاؤ اے بہن کہ تمھاری رضا ہے کیا
خالق ہر ایک عقدۂ لاحل کو حل کرے
جو تم کہو اُسی پہ یہ بیکس عمل کرے

زینب نے عرض کی کہ مجھے اس میں دخل کیا — میری وہی رضا ہے جو ہے آپ کی رضا
اتنا مگر کہوں گی میں اے سرورِ ہدا — قابل ہیں آسماں نشاں کے عباسؑ باوفا
رخ سے نمود شانِ خدا کے ولی کی ہے
جعفرؑ کا دبدبہ ہے تو شوکت علیؑ کی ہے

حیدر ہیں اپنے عہد کے زور آزمائی میں — دیکھیں گے آپ رنگ جو ہوگا لڑائی میں
خشکی میں ببر شیر نہنگ ترائی میں — ایسا جواں نہیں ہے خدا کی خدائی میں
ٹھہرا نہیں، جبل کو جبل رونے لگے
گونجے اگر یہ شیر تو رن بولنے لگے

وہ بولیں میری بھی یہی مرضی ہے یا امام — اب آگے جو صلاح شہنشاہِ خاص و عام
فرمایا ہاں مجھے بھی نہیں اس میں کچھ کلام — ہیں کیا یہی علیؑ کی نصیحت بھی تھی مدام
اچھا یہ رائے ہے تو بلاؤ یہاں انھیں
خوش ہوں جو اپنے ہاتھ سے تم دو نشاں انھیں

اکبرؑ سے مڑ کے کہنے لگے شہ کہ جائیے ۔ چھوٹے چچا کو خیمے میں جلدی بلائیے
کہیئے پھوپھی بلاتی ہیں تشریف لائیے ۔ اکبرؑ نے دی صدا کہ چچا جان آئیے
اب رخ کیا ہے عشرت و عیش و سرور نے
چلیے حضور یاد کیا ہے حضور نے

ناگاہ غل ہوا کہ وہ چھوٹے حضور آئے ۔ اکبرؑ بھی ساتھ ساتھ بفرح و سرور آئے
بھائی کی پیشوائی کو شاہ غیور آئے ۔ ہمراہ سب کے آپ بہن کے حضور آئے
فرمایا سر کو شرم و حیا سے جھکائے ہیں
تم نے انھیں بلایا تھا زینبؑ یہ آئے ہیں

زینبؑ نے مسکرا کے کہا پاس آئیے ۔ شان و شکوہ فوج ستم کو دکھائیے
میداں میں بن کے جعفر طیار جائیے ۔ لیجے نشانِ فوج خدا کو اٹھائیے
رکھتے ہیں وہ خیال بڑوں کا جو خرد ہیں
حضرت خدا کے بعد تمھارے سپرد ہیں

یہ ذکر تھا کہ فوج میں باجے بجے ادھر ۔ قرنائے غلغلے سے ہلے کوہ و دشت و در
خیمے میں آ کے اکبرؑ مہرو نے دی خبر ۔ فوجیں قریب آ گئیں یا شاہ بحر و بر
لازم ہے کوئی سدِ رہ فوج شام ہو
ہم بھی بڑھیں ادھر سے جو حکم امام ہو

غل ہی صفوں میں ابن شہ قلعہ گیر آئے ۔ فوج امام دیں کے مقابل شریر آئے
جب تک کہ باہر ابن جناب امیر آئے ۔ اتنے میں دوسری خبر آئی کہ تیر آئے
واں مورچوں کو بانی شر باندھنے لگے
جلدی سے اٹھ کے شاہ کمر باندھنے لگے

ڈیوڑھی پہ غل ہوا کہ شہ خاص و عام آئے — خدام بارگاہ پئے اہتمام آئے
مثل نسیم جب فرس تیز گام آئے — پردہ اٹھا، امام فلک احتشام آئے
نور جبیں سے دیدۂ بدخواہ کور تھا
ہر سو جہاں پناہ سلامت کا شور تھا

گھوڑے پہ اس شکوہ سے سلطان دیں چڑھے — جس حسن سے کہ خاتم زر پر نگیں چڑھے
گھوڑوں پہ ناصران امام مبیں چڑھے — گردوں کا رخ کئے تھے وہ گھوڑے زمیں چڑھے
پریوں کی تھی صدا کہ یہ اڑنے میں طاق ہیں
کہتی تھی برق بھی کہ یہی تو براق ہیں!

میداں میں جب سواری شاہ ہدا چلی — غنچوں نے دیں چٹک کے صدائیں صبا چلی
جلدی میں یوں جہاد کو فوج خدا چلی — جنگل میں مرکبوں کی ڈپٹ سے ہوا چلی
غنچوں کی طرح نقش قدم کھل کے رہ گئے
اٹھا غبار دشت و جبل ہل کے رہ گئے

پہونچے جو اس شکوہ سے شہ رزم گاہ میں — کثرت سپاہ کی نہ سمائی نگاہ میں!
باجے بجے نبرد کے جنگی سپاہ میں — تیر آئے فوج بادشہ دیں پناہ میں
رخصت کے شور فوج شہ دیں میں پڑ گئے
کھائے جو زخم شیروں کے تیور بگڑ گئے

لے لیکے اذن جنگ، چلے جب وہ منچلے — لاکھوں سے ایک اک نے کئے تنگ حوصلے
مرنے پہ جان دیتے تھے اللہ رے ولولے — آخر کو منکے ڈھلنے لگے دوپہر ڈھلے
حال آفتاب فاطمہ کا غیر ہو گیا
تا ظہر سب کا خاتمہ بالخیر ہو گیا

اُس دم عجیب تھی شہ کو پریشانی حواس
پٹ پڑ رہا بن، وہ دھوپ وہ گرمی وہ لو وہ پیاس
لاشوں بغیر اور نہ تھا کوئی آس پاس
آخر کو آئے خیمے میں ملنے بدرد و یاس

فرمایا غیر شکر زباں آشنا نہ ہو
جلدی ملو بہن کہ مسافر روانہ ہو

افسوس کی جگہ ہے کہ تم اشکبار ہو
آل رسولؐ پاک کو یہ اضطرار ہو!
بولی بہن کہ دل کو بھی تو کچھ قرار ہو
مرنے کی کیا ٹھہر گئی زینبؑ نثار ہو

مومن جہاں ہوں خط انھیں تحریر کیجیے
زینب نثار ہو کوئی تدبیر کیجیے

فرمایا صبر و شکر سے رُتبے بلند ہیں
زیبا اُنھیں کو درد ہے جو درد مند ہیں
گھیرے ہوئے چہار طرف خود پسند ہیں
زینبؑ! حسینؑ قید ہے، راہیں بھی بند ہیں

بس بس تمھاری باتوں نے مارا حسینؑ کو
بے تیغ کھینچے اب نہیں چارا حسینؑ کو

یہ ذکر تھا کہ سامنے سجادؑ زار آئے
جلدی پکڑ کے ہاتھ یہ شہ نے سخن سُنائے
بیٹھو کہ تم کو غش کہیں اے لال آ نہ جائے
بیمار نے کہا کہ غضب کیا ہوا یہ ہائے

کیسے ستم ہوئے سپہ بد نہاد سے
افسوس ہے کہ ہم نہیں قابل جہاد کے

شہ نے کہا ستا ہیں ستمگر تو کیا کروں
مانیں کسی طرح نہ بد اختر تو کیا کروں
نزدیک خیمہ آئے جو لشکر تو کیا کروں
مجبور کر دیا، نہ لڑوں گر تو کیا کروں

بجتے ہیں طبل جنگ نشاں ہیں گڑے ہوئے
سجادؑ اب علاج نہیں بے لڑے ہوئے

لاکھوں کو اک غریب کا ڈر ہو تو خاک ہو　پسپا ہجوم لشکر شر ہو تو خاک ہو
بیکس کے درد دل کی خبر ہو تو خاک ہو　پتھر ہیں سب کے قلب اثر ہو تو خاک ہو

بلوا کے پاس گھر سے مجھے دور کر دیا
مختار کائنات کو مجبور کر دیا!

یہ ذکر تھا کہ طبل پہ چوبیں پڑیں اُدھر　فرمایا آپ نے کہ خدا حافظ اے پسر
مُڑ کر چلے جو در کی طرف شاہ بحر و بر　روتے چلے حرم بھی عقب میں بچشم تر

شبیرؑ یوں خدا سے طلب گار عون تھے
دیکھا نہ مڑ کے آپ نے پیچھے کہ کون تھے

خیمے سے رن کو جب شہ گلگوں کفن چلے　معراج کو رسول سرا انجمن چلے!
تلوار تولتے ہوئے شاہ زمن چلے　خیبر کے در کو کھولنے خیبر شکن چلے

فرمایا لاؤ منتظر راہوار ہوں!
حکم الٰہ ہے کہ میں جلدی سوار ہوں

فرمایا پھر اشارے سے جلدی عقاب لاؤ　اک غل ہوا کہ توسن خضر خطاب لاؤ
رخش گہر عنان وجواہر رکاب لاؤ　حضرت کھڑے ہیں دھوپ میں گھوڑا شتاب لاؤ

طبع جہاں پناہ دو عالم ملول ہے
کب سے پیادہ رکب وش رسول ہے

رشک نسیم و غیرت کبک دری کو لاؤ　سیاح ہفت گلشن نیلوفری کو لاؤ
حامل جلد مہر و فلک اخضری کو لاؤ　برہم ہے طبع فخر سلیماں پری کو لاؤ

دنیائے دوں نگاہ میں اندھیر ہو گئی
اتنی فرس کے آنے میں کیوں دیر ہو گئی

اصطبل سے فرس کے اب آنے کو دیکھیے
سینے سے گُند تنی کے ہلانے کو دیکھیے
ایک ایک گام ناز سے جانے کو دیکھیے
راکب کو سر ہلا کے بلانے کو دیکھیے
مطلب یہ تھا بہارِ ریاضِ بتولؑ آ
حاضر فرس ہے راکبِ دوشِ رسولؑ آ

جو پاس آ کے ناز کیے وہ عقاب نے
آنکھوں پہ لو قدم کو جگہ دی رکاب نے
دامن کمر میں باندھ کے رکھا جو جناب نے
لو دی وہ زین زر کو ضیاءِ آفتاب نے
غل تھا چلے جو رخش، جہاں کی ہوا پھرے
دُم ہو چنور تو سر پہ نہ کیونکر ہُما پھرے

وہ رخش اور وہ شان رُخِ رعتاب کی
تھی چاندنی کے پھول میں رنگت گلاب کی
حیدر کا دبدبہ تھا کہ سطوت جناب کی
سر پہ چنور بنی تھی کرن آفتاب کی
پایا سبک کہیں فلکِ کج مدار کو
میزاں میں جب رکاب نے تولا وقار کو

گلگوں چلا جو چال کو قصداً بگاڑ کے
پھولوں نے لیں بلائیں گریباں کو پھاڑ کے
پیچھے چلی شمیم جو گلشن اجاڑ کے
نوبی صبا میں جانی ہوں دامن کو جھاڑ کے
بس بوئے گل بھی اس سے تو شرما کے رہ گئی
صرصر بھی سر پہاڑ سے ٹکرا کے رہ گئی

بلکل تھا رنگ بادِ بہاری کا پاؤں میں
غنچے چٹک رہے تھے قدم کی صداؤں میں
گلگوں چلا ریاضِ جناں کی ہواؤں میں
بھاگی نسیم باغ سے تاروں کی چھاؤں میں
شرمندگی سے آنکھوں کو پھیر کے نکل گئی
اچھا ہوا نسیم ادھر سے نکل گئی!

برق اس کی گرمیوں سے نہ شرمائے کس طرح　　عنقا ہوا ایک شے تو کوئی لائے کس طرح
دلبر کی ہو ادا تو نہ دل آئے کس طرح　　تڑپے جو دل فراق میں سمجھائے کس طرح
جب تیغِ تیز ہجر کلیجے پہ چل گئی
کوسوں صبا تلاش میں اس کی نکل گئی

دیکھے جو حُسن پاس سے گلگوں کی یال کے　　لیلیٰ بھی روئے ہاتھ کو گردن میں ڈال کے
پریوں کو بھی یہ عشق تھے اُس پیاری چال کے　　قدموں کے نیچے رکھ دیے تھے دل نکال کے
آنکھیں جہاں نے پاؤں کے نیچے بچھائی تھیں
یوں پتلیاں قدم کی اُسے ہاتھ آئی تھیں

اللہ ری تیزیاں کہ وہ باہر تھا آپ سے　　اُڑ جاتا تھا نسیم کے پاؤں کی چاپ سے
شعلے کو کیوں حجاب ہو اس کی تاپ سے　　صحرا میں آگ لگ گئی تھی مُنھ کی بھاپ سے
اب یاں یہ ذکرِ سبزۂ صحرا گناہ ہے
سایہ جلا تھا یہ کہ ابھی تک سیاہ ہے

ناگہ سواری آئی شہِ دیں پناہ کی !　　تھرائے دل زمیں جو ہلی رزمگاہ کی
پھیلی تھی منزلوں جو سیاہی سپاہ کی　　تن کر سبھوں پہ مثلِ ید اللہ نگاہ کی
تھی شام تک جو فوج کی حد رزمگاہ سے
دن ہو گیا تھا رات، سوادِ سپاہ سے

جس دم رہا نہ صبر دلِ بیقرار میں　　آواز دی یہ حوصلۂ گیر و دار میں
شیروں کو حد کا شاق ہے وقفہ شکار میں　　او ابنِ سعد دیر ہے کیا کارزار میں
نامرد! دل ہے پیاس سے یاں اضطراب میں
کب تک کھڑے رہیں طپشِ آفتاب میں

فرمایا تھم کے، دیر ہے کیا اب نکل کے آؤ — دل میں اگر ہوس ہی تو تیور بدل کے آؤ
بجھنا ہی گر چراغ کے مانند جل کے آؤ — جانِ علیؑ ہوں سامنے میرے سنبھل کے آؤ
غازی نہیں زمیں کے طبق گر اُلٹ نہ دوں
کہنا نہ پھر حسینؑ جو دنیا پلٹ نہ دوں

جب یوں پڑھا رجز شہ گیہاں خدیو نے — گردن دوں کے گوش کیے کر غریو نے
پستی دکھائی قصر ضلالت کی نیو نے — اپنی جگہ سے کی حرکت ایک دیو نے
خیمے کے دور مات تھے اُس کی لپیٹ سے
اُس دن جبل نے پاؤں نکالے تھے پیٹ سے

تھا گنبدِ حدید کہ خود سرِ شریر — چہرے کی تھیں رگیں کہ جبل پر بنی تھی قسیر
کف کی لبِ کبود سیہ رو یہ تھی لکیر — یا کوہ بے ستوں سے نمایاں تھی جوئے شیر
مونچھیں نہ تھیں سیاہ لبِ نابکار پر
جوڑا تھا اژدہے کا کہ بیٹھا تھا غار پر

وہ نقش جس سے نقش نہیں پائے فیل کے — آنکھیں تھیں یا حباب تھے دریائے نیل کے
نیزے سے کم نہ بال تھے ریش طویل کے — دو زرخ سے حابلے تھے دو راہے سبیل کے
رُخ وہ سیاہ جس کو جہاں میں دُھواں کہیں
آنکھوں کے وہ گڑھے جسے اندھا کنواں کہیں

بولا شقی میں بار ہوں سر پہ پہاڑ کے — خیبر سے لاکھ در ہوں تو پھینکوں اکھاڑ کے
جب نعرہ زن ہوا ہوں قدم رن میں گاڑ کے — بھاگے ہیں دیو زاد گریبان پھاڑ کے
دُنیا میں دار ظلم و ضلالت کی نیو ہوں
جن بھاگتے ہیں سایہ سے جس کے وہ دیو ہوں

رستم کو مانتا نہیں میں وقتِ کارزار تیغہ مرا وہ ہے کہ منوں کا ہے جس کا بار
ہوتا ہے بھوت مجھ پہ جو میداں میں سوار ڈرتا نہیں خدا سے، بشر کا ہے کیا وقار
بگڑا ہوں جب جہان کی حرص و ہوا سے میں
اکثر لڑا ہوں اپنی جگہ پر خدا سے میں

ہے کشت و خوں جہان میں سودائے سر مرا آہن مرا ہے قلب تو پتھر جگر مرا
پس خانہ جنگیوں میں ہوا ہے بسر مرا روشن چراغ تیغ سے رہتا ہے گھر مرا
بے زخم کھائے چھوٹ گیا کون ہاتھ سے
یاں تک کہ باپ قتل ہوا میرے ہاتھ سے

مانے ہوئے ہیں مجھکو جوانانِ سرفراز ہوں بچپنے سے دست دراز و زباں دراز
کیا مجھ میں اور سنگ میں ہو امتیاز ہنگامِ ضرب کھلتے ہیں میرے بھی دل کے راز
پیاسے سے خاک لطف ہو تیغ آزمائی کا
ہوتے اگر علیؑ تو مزا تھا لڑائی کا

سب جانتے ہیں قلزمِ آفت کا ہوں نہنگ دل توڑتا ہے کوہ کا میرا ہر اک خدنگ
تجھ ایسے تشنہ کام سے کرتا نہ قصدِ جنگ ایسا ہی امر تھا کہ گوارا کیا یہ ننگ
اک کام پر ولید کو مامور کر دیا
حاکم کے حکم نے مجھے مجبور کر دیا

فرمایا بس خموش ہو او مرتد و جہول دعوائے بے دلیل نہیں قابلِ قبول
کیونکر ترا نہ اہلِ سفاہت میں ہو شمول تیرے حمق پہ دال ہے قامت کا تیرے طول
طولِ کلام جنگ میں دانش سے دور ہے
او بے خرد یہ سب ترے قد کا قصور ہے

سرکش! ہمارے سامنے یہ لاف کے کلام
او سگ نہ لے زبان نجس سے علیؑ کا نام!
تیری تو کیا بساط ہی او نطفۂ حرام
جبریلؑ سے رکی نہیں اُس شیر کی حسام

حیران اس کو مغتنم کہ خدا کے ولی نہ تھے
کچھ دن کی زلیست تھی کہ جہاں میں علیؑ نہ تھے

وہ شیر کردگار تھے اور تو ہے بزدلا
باتوں سے خود عیاں ہی کہ ہے ننگ حوصلا
وہ اب نہیں ہی، قبل جو تھا دلمیں لولا
حیدرؑ سے کس طرح ترا ہوتا مقابلا

قسمت سے قبر میں بھی نہ سوئے گا چین سے
سفاک! تیری موت ہی دست حسینؑ سے

کیا کہہ رہا ہی ہوش ہیں اس دم کدھر ترے
سب خاک میں ملیں گے یہ سودائے سر ترے
ممکن نہیں کہ روز سیہ ہوں بسر ترے
سرکش بڑے ہیں واقعی قلب و جگر ترے

بیہوش کچھ خبر بھی ہے باتوں کے دھیان میں
آواز دل دھڑکنے کی آتی ہے کان میں

کیا ہوگا دیکھ آگ جو سر میں چراغ تیغ
دم میں جلیں گے دیدۂ تر میں چراغ تیغ
کہتا تھا تو کہ جلتے ہیں گھر میں چراغ تیغ
اب دن کو شب کریں گے نظر میں چراغ تیغ

تو اپنی زندگی سے ہو خود سیر تو سہی
کردیں وہی چراغ نہ اندھیر تو سہی

بولا شقی شعار ہے بغض و حسد مرا
ممکن نہیں کسی سے ہو اک وار رد مرا
دعویٰ تن قوی سے ہی خود مستند مرا
دریائے قہر سے نہیں کم جزر و مد مرا

سنگینی گنہ سے سمک کو بھار ہے
لاکھوں کے خون کا مری گردن پہ بار ہے

اُس رات کو غضب میں یا کمر کھولتا نہیں　　جس روز لشکروں کے میں دل رولتا نہیں
ہاتھ اُٹھتے ہیں یا تیغ اگر تولتا نہیں!　　آتی نہیں ہے نیند جو رن بولتا نہیں

وہ جنگ جو ہوں میں کہ کلیجے پہ داغ ہیں
لاکھوں ہیں گھر جو دم سے مرے بے چراغ ہیں

مخبر کی یہ کہہ کے ستمگار رہے ادھر　　پہونچی یہ افسران سپہ کو خبر اُدھر
تیغ آزما دلیر سا ہوتا ہے حملہ ور　　تولے ہے تیغ ادھر بھی یداللہ کا پسر

ہے بازوئے حسینؑ، شہ لافتا کا زور
نکلا ہے آستین کے باہر خدا کا زور

ہاں ساقی سخن ہمہ تن جوش کر مجھے　　جلد آفتاب رو سے ہم آغوش کر مجھے
دو چار جام دے کے نہ خاموش کر مجھے　　کہتا ہوں صاف ہوش میں بے ہوش کر مجھے

وہ جام دے کہ جس میں لڑائی کی سیر ہو
خم کا بھلا ہو ساقی مہوش کی خیر ہو

وہ مے پلا کہ قلب کو جس سے سرور ہو　　گرد ملال و کلفت ایام دُور ہو
عیش و فرح، نشاط و طرب کا وفور ہو　　یہ سب تو ہو مگر مجھے غش بھی ضرور ہو

بے ہوش ہوں جو عشق میں اک آفتاب کے
چھینٹے بھی دے مجھے تو لہو کی شراب کے

برہم ہے ابن بادشہ قلعہ گیر دیکھ　　تیور بدلتے ہیں شر گردوں سریر دیکھ
بڑھتے ہیں آپ غیظ میں سوئے شریر دیکھ　　لے تیغ تولتے ہیں جناب امیرؑ دیکھ

لے اب تو تیرے قلب کی حسرت نکل گئی
آخر کو جھنجھٹوں ہی میں تلوار چل گئی

مشتاق سیر جنگ تھے وہ لاکھ درعہ پوش　　اُڑتے تھے جرأت شہِ والا سے سب کے ہوش
وہ شور طبل کا تھا، نہ قرنا کا وہ خروش　　لاکھوں کی تھی تو فوج مگر ساکت و خموش

ہموار بہر سیر تھے پست و بلند بھی
چپ تھے کنوتیوں کو ملائے سمند بھی

پہونچی تھی اُڑ کے گرد بھی صحرا کی کوہ پر　　جتنے سمند تھے وہ اٹھائے ہوئے تھے سر
گھوڑوں پہ دیکھتے تھے کھڑے ہو کے اہل شر　　مُنھ کو نشیمنوں سے نکالے تھے جانور

دیکھی نہ تھی جو آنکھ سے جنگ اس شکوہ کی
بیٹھے تھے جا کے شیر بھی چوٹی پہ کوہ کی

ناری بڑھا فرس کو جو گرما کے ایک بار　　نکلی ادھر بھی میاں سے شمشیر آبدار
تھے محو سیر دُور سے لشکر کے نامدار　　آفت کا معرکہ تھا قیامت کی کارزار

خالی تھا کوئی قلب نہ اُس وقت درد سے
جانیں لڑی ہوئی تھیں ہزاروں نبرد سے

آیا جو پاس گھوڑے کے گھوڑا لڑائی میں　　روباہ کو اسد نے جھنجھوڑا لڑائی میں
جب ہاتھ اس نے تیغ کا چھوڑا لڑائی میں　　مُنھ پر پڑا تڑاق سے کوڑا لڑائی میں

پڑتی تھی سیلی جلد پہ جب روسیاہ کی
آتی تھی تازیانے سے آواز آہ کی

دہنی طرف جو آئے شہ ارجمند پھر　　کیا کیا اُلجھ اُلجھ کے دبا خود پسند پھر
جھنجھلا کے نابکار نے پھینکی کمند پھر　　بچ کر نکل گیا فرس سربلند پھر

خالی گئی کمند جو یوں بدشعار کی
غل تھا یہ ران باگ ہے دُلدل سوار کی

آفت کی کارزار تھی شیر و پلنگ میں | یہ فخرِ روزگار وہ یکتا تھا ننگ میں
گہ دانت پیسے شیر دلی کی اُمنگ میں | چُھپکے سے گاہ جوڑ لیے ہاتھ جنگ میں

یوں لڑ رہے تھے آپ جو اُس نابکار سے
غل تھا کہ شیر کھیل رہا ہے شکار سے

ظالم نے کی جو بے ادبی کچھ جدال میں | طاقت رہی نہ ضبط کی زہرا کے لال میں
جھپٹے مثالِ شیرِ درندہ جلال میں | ڈالا غضب میں ہاتھ کمر کی دوال میں

دکھلا کے شہ نے زورِ جنابِ امیر کو
پھینکا اُٹھا کے دور ہوا پہ شریر کو

فی النار ہو گیا جو لعین رزم گاہ میں | در آئے رخش پھیر کے حضرت سپاہ میں
تلوار برق بن گئی سب کی نگاہ میں | ہلچل ہوئی جنودِ ضلالت پناہ میں

دیکھا جو بھاگتے ہوئے ہر کینہ خواہ کو
بھانجوں نے ہاتھ جوڑ کے روکا سپاہ کو

قبضے پہ پھر پڑا شہِ گلگوں قبا کا ہاتھ | تھاما اجل نے پھر سپہِ پُر دغا کا ہاتھ
کُھلتا ہے پھر وہ فوج پہ مشکل کشا کا ہاتھ | پھر آستین چڑھی نکل آیا خدا کا ہاتھ

پھر دستِ حق سے فوجِ ملائک لپٹ گئی
پھر آستیں کے ساتھ ہی دنیا اُلٹ گئی

چھوڑے جو ہاتھ فوج پہ اس شہسوار نے | کھائی شکست فوجِ ضلالت شعار نے
لشکر کو بے نمود کیا نامدار نے | کوسوں سرک کے چھپا دی چھپائی غبار نے

مشتاق تھے جو رن میں پہاڑوں کی آڑ کے
ٹھہری نہ گردباد بھی خیمے اُکھاڑ کے

سالم ہو جس کا تن کوئی ایسا جواں نہ تھا
تھا کون مرغِ روح جو بے آشیاں نہ تھا
سکتہ یہ تھا کہ خون بدن کا رواں نہ تھا
کوسوں بجز غبارِ علم کا نشاں نہ تھا

جنبش نہ تھی کمان خطا ساز کے لیے
پر تولتے تھے تیر بھی پرواز کے لیے

منھ سے زباں، زبان سے تھی گفتگو جدا
سینے سے دل، تو دل سے ہر اک آرزو جدا
گلشن سے پھول دور تھے، پھولوں سے بو جدا
تن سے رگیں جدا تھیں، رگوں سے لہو جدا

ذرّے اسیرِ ہوا نہ تھے دشت نبرد کے
صحرا کی دھوپ اڑتی تھی پردے میں گرد کے

وہ بن، سوار دوشِ نبیؐ کی وہ جاں کنی
گرمی سے سانس آتی تھی منھ تک رکی رکی
بجلی بنی نگاہ اگر خاک پر جھکی
جلا رہی تھی دشت میں قرنا پھکی پھکی

گرمی سے تھے جو جان کے لالے پڑے ہوئے
دامن ہلا رہے تھے نشاں سب کھڑے ہوئے

چٹیل وہ بن، وہ دھوپ کی گرمی کہ الاماں
گردونِ دوں پہ تھا کہ وہ نار کا گماں
تیغوں کی وہ چمک، وہ ہر اک شعلے کی سناں
قبضوں کی بھی دہن سے نکل آئی تھی زباں

کشتہ تھے سب جو گرمیِ دشت قتال کے
بوندیں تو سے کی بن گئے تھے پھول ڈھال کے

گلشن سے ڈر کے طائرِ رنگِ بہار اڑے
شہباز آئے جب تو نہ کیونکر شکار اڑے
نزدیک تھا زمیں بھی مثلِ غبار اڑے
غبارے کی طرح فلک کجمدار اڑے

معدوم کفر و شرک تھا دہشت سے دین کی
جادے نہ تھے کھنچی تھیں طنابیں زمین کی

اُس ضربتِ گراں کا نہ جب بر وقت بار اُٹھا بیٹے کو باپ، باپ کو بیٹا پکار اُٹھا
طوفانِ آب تیغ دمِ کارزار اُٹھا تھرّائے کوہ، ہل گئی گیتی غبار اُٹھا
مانگی جو رکنِ دیں سے اماں روزگار نے
چادر ہلائی اُٹھ کے زمیں سے غبار نے

آئے تھے یوں حسین ہر اک نابکار پر جس طرح آئے شیرِ درندہ شکار پر
یوں چھائی تھی گرد یہ فلکِ کجمدار پر ٹھہرا ہوا تھا چرخ ستونِ غبار پر
نقشے بگڑ گئے تھے جو اس دم جہان کے
قلابے مل گئے تھے زمین آسمان کے

یاں ہے یہ حال، شام کا سُنیے اب اضطراب سب شہر اُلٹ پلٹ ہے غضب کا ہے انتشار
دارالامارہ بھی جو لرزتا ہے بار بار بیٹھا ہے تخت تھامے یزیدِ ستم شعار
ادبار کے نشاں سے پراگندہ ہوش ہیں
تصویر کی طرح رؤسا سب خموش ہیں

گہہ دیکھتا تھا شان تھی بارگاہ کی گہہ ہاتھ مارا تخت پہ گہہ دل سے آہ کی
گہہ سر جھکایا فکر میں گہہ منہ سے واہ کی محفل میں گہہ یہاں سے وہاں تک نگاہ کی
مطلب یہ تھا کہ کچھ نہ یہاں تمکنت چلی
لو ہل رہا ہے تخت مری سلطنت چلی

آتا نہیں سمجھ میں مری ماجرا ہے کیا دم بھر نہیں قرار زمیں کو ہوا ہے کیا
اس وقت کی صلاح ہے کیا مقتضا ہے کیا زیر و زبر جہان ہے، یہ معرکا ہے کیا
اہلِ نجوم و رمل کی تقریر چاہیے
امرِ عظیم سمجھ کے کوئی تدبیر چاہیے

ناگاہ بارگاہ میں اہل نجوم آئے
ارباب عقل و صاحب فن و علوم آئے
سر خم کیے ادب سے سوئے بزم شوم آئے
سب بڑھ کے پہلے تخت کے پائے کو چوم آئے
پھر کی ثنا یزید ضلالت پناہ کی
مانگی دعا ترقی اقبال و جاہ کی

خوش ہو کے اُن سے کہنے لگا تب وہ نابکار
دیکھو کہ آج شہر میں یہ کیا ہے انتشار
ویران کیوں نگاہ میں ہے شہر اور دیار
کیوں زلزلہ زمین کو ہوتا ہے بار بار
بولے وہ بے نظیر ہیں ہم کائنات میں
سر قطع کیجیے جو پڑے فرق بات میں

کھولی یہ کہہ کے ہاتھ میں ہر ایک نے کتاب
پھینکا کسی نے رمل، کسی نے کیا حساب
جب تک کریں وہ اپنے جوابوں کا انتخاب
ہر قلب کو عجیب طرح کا تھا اضطراب
رکھا تھا سب نے طاق پہ آداب و داب کو
تکتے تھے سب جھکے ہوئے اُن کے حساب کو

کھینچا جو زائچہ تو یہ آیا اُنھیں نظر
ہے مشتری حضیض میں مریخ اوج پر
سعدین احتراق میں ہیں عقرب میں ہے قمر
سیارے جتنے ہیں، منتجر ہیں سر بسر
ثابت یہ کر رہا ہے زحل اپنی چال سے
عالم تباہ ہوگا جدال و قتال سے

ناگہ سبھوں نے بند کتابیں کیں سر جھکائے
سینوں میں دل تڑپ گئے اشک آنکھوں سے بہائے
ظلم یزید شوم پہ کی دل میں اک نے وائے
بیساختہ نکل گیا مُنھ سے کسی کے ہائے
انجام کار اُن پہ تو بالکل ثبوت تھا
آنکھوں سے اشک بہتے تھے لب پر سکوت تھا

بولا کوئی بتاؤ نہ اتنا عذاب دو تسکین بسملوں کو دمِ اضطراب دو
بیتاب دل ہیں کچھ خبر انتخاب دو حاکم کو اضطراب ہے جلدی جواب دو
حالت امیرِ شام کی صدمے سے غیر ہے
اتنا تو منھ سے کہدو کہ حاکم کی خیر ہے

آخر کہا انھوں نے کہ سن لے امیرِ شام درپیش تجھ کو جنگ ہے آج اے خجستہ کام
ہے بیچ دن کی راہ پہ اک کربلا مقام واں ایک تشنہ لب ہے ابھی تک اژدہام
احمدؐ کی جان، فاطمہؑ کا نورِ عین ہے
نام اس بزرگوارِ جہاں کا حسینؑ ہے

دل اہلِ روم و کوفہ کا گھٹتا ہے بار بار بادل سپاہِ شام کا پھٹتا ہے بار بار
لشکر عبث نبرد میں کٹتا ہے بار بار بڑھتی ہے پیاس جب تو جھپٹتا ہے بار بار
معدوم اس سبب سے یہاں کا نشاط ہے
دنیا ہلے تو تخت کی پھر کیا بساط ہے

ایسے نہ رن کہیں تہِ چرخِ کہن پڑے یوں ضرب پڑ رہی ہے کہ جس طرح گھن پڑے
آئے خدا کا قہر تو کیا کس کو بن پڑے اس وقت تک تو فوج میں لاکھوں کے ان پڑے
لیکن غضب کی کثرتِ لشکر وغا میں ہے
کوفے میں ایک صف ہے اور اک کربلا میں ہے

دس لاکھ کی سپاہ کو اس دم ہے انتشار جھنجلا رہا ہے فوج پہ حیدر کا یادگار
ہوتا ہے دل جو پیاس کی شدت سے بیقرار رہ رہ کے لشکروں پہ جھپٹتا ہے بار بار
حقا کہ یکہ تازِ جہاں دوسرا میں ہے
کوفے میں ہے کبھی تو کبھی کربلا میں ہے

اس شیر نے پیا ہو کسی فاطمہؑ کا شیر اے شاہ اس سے تجھکو رواتھی نہ دارو گیر
لیکن جہاں یہ ہو وہاں یہ بھی ہوئے امیر انجام کار ہے ظفر لشکر کثیر
حالت سپاہ شام کی گو غیر ہو گئی
پانی نہیں دیا یہ بڑی خیر ہو گئی

بولا شقی اسی پہ سدا ہے نظر مری فوج شکست سے ہو شکستہ کمر مری
انجام کے خیال سے ہو چشم تر مری کیونکر مگر یقیں ہو کہ ہو گی ظفر مری
غم سے قرار قلب کو دم بھر نہ آئے گا
بے امتحان کے مجھے باور نہ آئے گا

بولے ادب سے جوڑ کے ہاتھوں کو وہ کہ خوب ہر چند ہے خدائے جہاں عالم الغیوب
اُٹھے گا اک غبار سیہ جانب جنوب لکھ رکھ اسے کہ چار گھڑی قبل از غروب
لاریب اے امیر بڑا خوش نصیب ہو
وہ حملۂ اسیر حسینؑ غریب ہے

یہ سنکے اٹھ کھڑا ہوا غدار پر غرور آیا محل میں چھوڑ کے ان کو بعید سرور
جاتا تھا دوڑتا ہوا بانی مکر و زور پوچھا جو عورتوں نے کہ ہے خیریت حضور
ہو خیر - اُن سے کہہ کے لعیں آگے بڑھ گیا
دامن اٹھا کے جلدی سے کوٹھے پہ چڑھ گیا

فتح و ظفر کی بسکہ ستمگر کو تھی پڑی ساعت وہ ہو گئی تھی لعیں کو بری گھڑی
تھی جانب جنوب نظر شوق میں گڑی مضطر ٹہل رہا تھا لیے ہاتھ میں گھڑی
سمجھا شقی کہ خاک میں اقبال مل گیا
جب نعرۂ حسینؑ سنا قلب ہل گیا

سچ ہے شدید موت سے ہوتا ہے انتظار تھا فرط اشتیاق سے غدار بیقرار
تکتا تھا دور بین لگائے ستم شعار ناگہ اٹھی جنوب سے گرد سیاہ تار
دکھلا دیا گھڑی نے بھی جب دل کے چین کو
منھ سے نکل گیا کہ وہ مارا حسینؑ کو

اب یاں سے یہ بھی سنیئے کہ شبیرؑ ہیں کہاں کونے میں لڑ رہے ہیں شہنشاہ دوجہاں
لے کر عصا کو نکلے ہیں سجادؑ ناتواں ہر سو جو کی نگاہ تو دیکھا یہ ناگہاں
نے ہیں امام پاک نہ لشکر کا دور ہے
صحرائے کربلائے معلےٰ ہی اور ہے

یاں یہ کھڑے ہیں لڑتے ہیں واں شاہ دوسرا کھایا ہے بھر سیاہ نے گھونگھٹ دم دغا
دیکھا جو وقتِ عصر ہے نزدیک آ گیا فوجوں کو لے چلے سوئے صحرائے کربلا
نانا کو گاہ یاد کیا گاہ باپ کو!
کہتے ہیں کربلا میں ہوئی عصر آپ کو

کاری لگے تھے زخم جو زہراؑ کے لال پر نالاں طیور دشت تھے حضرت کے حال پر
ناگہ رکا سمند زمین قتال پر اک رقعہ آسماں سے گرا آکے یال پر
لطفِ خدا بدیدۂ نم دیکھنے لگے
آنکھوں پہ رکھ کے شاہ امم دیکھنے لگے

مضموں یہ تھا کہ فاطمہؑ کے نورِ عین بس یہ جنگ ابن فاتح و بدر و حنین بس
فرقت سے اب نہیں ہے رسولوں کو چین بس امت تباہ ہوتی ہے لبس اے حسینؑ بس
ہر ضرب تیری ضرب خدائے کرام ہے
یوں ہی اگر لڑے گا تو دنیا تمام ہے

قدسی بیاں کر نہیں سکتے ترے صفات
ہو اے حسینؑ ذات تری فخر کائنات
ہم کو خوشی آئی صبر کی تیرے ہر ایک بات
مشکور تیری سعی کی ہو خود ہماری ذات

ہے وقت عصر پھر بھی دم میں غروب ہو
تیغوں میں اب نماز بھی پڑھ لے تو خوب ہو

دو دن کی پیاس میں کوئی ایسا لڑا نہیں
یوں دین کا جہان میں جھنڈا گڑا نہیں
رتبے میں تجھ سے خلق میں کوئی بڑا نہیں
اس طرح کا حسینؑ کبھی رن پڑا نہیں

مشکل ہو اب کہ نام دغا فوج شوم لے
شبیرؑ تیرے ہاتھ ہمارے ہیں چوم لے

اب روئیں اہل مجلس ماتم پکار کے
روکی ہو شہ نے تیغ ہزاروں کو مار کے
آئے ہیں دھیان اطاعت پروردگار کے
پھینکا ہو تن سے خود و زرہ کو اتار کے

فرماتے ہیں کہ دل متمنی ہے درد کا!
آؤ کہ مجھ کو حکم نہیں ہو نبرد کا

لو برچھیاں چلیں جگر چاک چاک پر
تیغیں بھی ٹوٹنے لگیں تو جسم پاک پر
نیزہ بھی لو پڑا جگر دردناک پر
لو زیں سے حسینؑ گرے فرش خاک پر

جلتے ہیں زخم تن طپش آفتاب سے
آئے زمیں پہ پاؤں جو نکلے رکاب سے

جلتی زمین ہوش میں لائی حسینؑ کو
آیا یہ دھیان فاطمہؑ کے نور عین کو
شبیرؑ اب وداع کرو دل سے چین کو
اب تک ادا کیا نہیں خالق کے دین کو

لو ختم زندگی تہ شمشیر ہو گئی!
سجدے میں اے حسینؑ بڑی دیر ہو گئی

اُٹھے یہ کہہ کے خاک سے سلطانِ بحر و بر — اللہ اکبر آپ نے کہہ کر جھکایا سر
اب اس جگہ پہ دیکھئے ظلم سیاہ شمر — سجدے میں سر پہ چل رہے ہیں خنجر و تبر

طاعت کا خاتمہ شہ گردوں مکاں پہ ہے
اس پر بھی ذکر ربی الاعلیٰ زباں پہ ہے

لو آ کے سر پہ پڑ گیا اک گرز گاؤ سر — لو ہاتھ سر پہ رکھ کے گرے شاہ بحر و بر
لو آستیں اُلٹ کے بڑھا شمر بد گہر — قاتل پہ لو وہ پڑ گئی شبیر کی نظر

خنجر جو دیکھا فاطمہؑ کے نورِ عین نے
کھولا خود اپنا آپ گریباں حسینؑ نے

خنجر کو تیز کرتا تھا داں شمر بے حیا — ناگاہ ابن سعد ستمگر نے دی صدا
اے شمر تھم ذرا کہ یہ ٹھہرا ہے مشورا — پامال زندگی میں ہو لاشہ شہ ہدا

کوئی دقیقہ چھوٹ نہ جائے عناد کا
آیا ہے حکم یہ ابھی ابن زیاد کا

آیا قریب شاہ نہ پھر شمر بد شعار — ہر سو لگے بغور دیکھنے شاہ نامدار
حضرت کی دہنی سمت کو اُٹھنے لگا غبار — حکم امیر سے ہوئی ناگاہ یہ پکار

لاشیں اُٹھائیں اپنے عزیز و قریب کی
پامال ہو گی لاش حسین غریب کی!

ناگاہ لوگ ہٹ گئے گھوڑوں کی راہ سے — لاشے بھی سب اُدھر کے اُٹھے رزمگاہ سے
ہلتا تھا رن بتولؑ کی فریاد و آہ سے — حضرت بھی دیکھتے تھے یہ ساماں نگاہ سے

میت رہی نہ کوئی کسی کے قریب کی!
اک لاش رہ گئی تو حسینؑ غریب کی

لیجئے سوار گھوڑوں پہ اب سنبھل گئے — لیجے وہ ہاتھ کوڑوں کے گھوڑوں پہ چل گئے
لیجے کلیجے دیکھنے والوں کے ہل گئے — لیجے ادھر کے رخش اُدھر کو نکل گئے
اس وقت بھی نہ دل سے شہِ دیں نے آہ کی
آئی صدا تو اشہد ان لا الٰہ کی !

اب روئیں مومنین یہ مجلس اخیر ہے — وقتِ عزائے ابنِ شہِ قلعہ گیر ہے
پامالیِ تنِ شہِ گردوں سریر ہے — نیچے سُموں کے ابنِ جنابِ امیرؑ ہے
حالت یہ ہے جو زیست میں ابنِ بتولؑ کی
تھرا رہی ہے قبر جنابِ رسولؐ کی

سُلطانِ دوجہاں کا یہ احوال دیکھئے — دم توڑتا ہے فاطمہؑ کا لال دیکھئے
ڈیوڑھی پہ سر ہے کھولے ہوئے آل دیکھئے — رن میں حسینؑ ہوتے ہیں پامال دیکھئے
پُرخوں عبا ہے لاشۂ شہ پر پڑی ہوئی
بنتِ رسولؐ دیکھ رہی ہے کھڑی ہوئی

ماہر قتیل و کشتۂ خنجر ہوئے حسینؑ — افسوس آبِ تیغ سے لب تر ہوئے حسینؑ
گلگوں قبائے عرصۂ محشر ہوئے حسینؑ — زینبؑ اسیر ہوگئیں بے سر ہوئے حسینؑ
کیا لکھوں حال اُس کے تنِ پاش پاش کا
سر نے بھی ساتھ چھوڑ دیا جس کی لاش کا

صفحات اساتذہ کے مرثیئے لکھے جانے کے بعد دو صفحے حساب سے خالی بچے تھے۔ اتفاق سے جناب سید مہدی میرزا صاحب جدید برادر خرد حضرت رشید لکھنوی کے دو سلاموں پہ نظر پڑ گئی۔ ایک سلام اُسی طرح میں ہے جس میں ان کی غزل بہت مشہور ہے

زخم میرے دلِ سوزاں کے سِیئے جاتے ہیں
جلتے جاتے ہیں وہ ٹانکے جو دیئے جاتے ہیں

دونوں سلام پیش کش ناظرین کیے جاتے ہیں:۔

سلام

طفل سب پیاس کے شکوے جو کیے جاتے ہیں
شاہ اشک آنکھوں میں بھر بھر کے پیے جاتے ہیں

شاہ کہتے تھے غم ہجر دیے جاتے ہیں!
لطفِ اکبر مرے جینے کا لیے جاتے ہیں

خلق سے کوچ ہی اکبر کو یہ صغرا نے لکھا
آپ کے بیاہ کا ارمان لیے جاتے ہیں

یا علیؑ ہم پہ بلا آئے کوئی کیا ممکن
آپ کا نام شب و روز لیے جاتے ہیں

ماں کو ہے دھیان نہ اصغرؑ کو نظر لگ جائے
بازوؤں کے لیے تعویذ سیئے جاتے ہیں

دوڑ اے آتشِ نمرود بجھانے والے
میرے عصیاں مجھے دوزخ میں لیے جاتے ہیں

دھیان میں باغ نجف کے کہیں آئے گا قرار
کیوں فرشتے مجھے جنت میں لیے جاتے ہیں

دے نہ ایذا ہمیں تربت میں مرض عصیاں کا
اس لیے خاکِ شفا ساتھ لیے جاتے ہیں

قبر سے کہہ کے اُٹھے شاہ کچھ اپنی نہیں فکر
علی اصغر تمھیں ہم دفن کیے جاتے ہیں

دے کے عباس کو رخصت یہی کہتے تھے حسینؑ
دونوں بازو مرے بیکار کیے جاتے ہیں

ہوگا کچھ اس میں نہ پیدا یہ زمیں ناقص ہے
اے جدید آپ عبث فکر کیے جاتے ہیں

حضرت جدید کا دوسرا سلام

(سلام)

نہ اٹھیں ایک سے بھی رنج جو سر اٹھاتے ہیں
ملال بے زباں داغ علی اکبر اٹھاتے ہیں

توسل ہے علی سے جن کو ہیں دنیا میں مستغنی
وہ کیا جانیں کہ احساں اور کا کیونکر اٹھاتے ہیں

نقاہت کیا بھلا روکے جو شہ کو غیظ آجائے
ابھی دو انگلیوں سے قلعۂ خیبر اٹھاتے ہیں

علی ہیں ناخدا کوثر پہ چلنے کا ارادہ ہے
ترا اے کشتی عمر رواں لنگر اٹھاتے ہیں

مئے الفت سے ہوں سرشار جب گرتا ہوں قدموں پر
پکڑ کے دونوں بازو ساقی کوثر اٹھاتے ہیں

نجف یا کربلا اپنے یہی بس دو ٹھکانے ہیں
لگاتے ہیں وہاں یاں سے اگر بستر اٹھاتے ہیں

صدا میداں سے آتی ہے جب تیروں کے چلنے کی
ہمک کے شوق میں گردن علی اصغر اٹھاتے ہیں

فرشتے آئیں محشر ہو پڑا ہوں در پہ حیدر کے
نہیں اٹھتا میں دیکھوں تو مجھے کیونکر اٹھاتے ہیں

لکھا صغرا نے خط میں سب نے ہم سے ہاتھ اٹھایا ہے
سرائے دہر سے ہم ناتواں بستر اٹھاتے ہیں

نہ ہو کیوں رفعت اپنی عرش اعظم دیکھ لیتے ہیں
جہاں مداح سر اپنا سر منبر اٹھاتے ہیں

مرض کا ضعف ہے پہنے ہیں عابد بیڑیاں بھاری
نہیں معلوم رستے میں قدم کیونکر اٹھاتے ہیں

ذرا ایوب دیکھیں یہ صدا ہے صبر سرور کی
کہ لاشہ نوجواں فرزند کا کیونکر اٹھاتے ہیں

نہیں شک ہے جہاں میں خاکساری اے جدید اچھی
دباتا ہے فلک ان کو ذرا جو سر اٹھاتے ہیں

ساتویں کڑی

بہار مؤدب۔ سعدی ہند مداح اہلبیت جناب سید عسکری میرزا صاحب مؤدب لکھنوی مدظلہ کے چھ منتخب اور قابل دید غیر مطبوعہ مرثیوں کی جلد جس میں عشق و تعشق و رشید کی زبان اور ان حضرات کے کلام کا لطف کما حقہٗ پایا جاتا ہے۔ قیمت دو روپیہ (عکار)

آٹھویں کڑی

اذکار محن۔ سلطان عالم واجد علی شاہ۔ حمید لکھنوی۔ جھنگا صاحب حسین۔ لڈن صاحب خورشید۔ قاری یعقوب علی خاں نصرت۔ نواب سردار صاحب سردار۔ میر علی محمد صاحب عارف مرحوم لکھنوی کے مرثیوں کا مجموعہ جو ہر حیثیت سے ادبی دنیا میں ایک قابل قدر اضافہ ہے۔ قیمت صرف دو روپیہ (عکار)

نویں کڑی

آثار عشق۔ جناب سید حسین میرزا صاحب المتخلص بہ عشق رحمۃ اللہ کے دو غیر مطبوعہ اور پانچ مطبوعہ مرثیوں کی جلد جس کا ہر مرثیہ قابل دید ہے اور حضرت عشق مرحوم کے خصوصیات کلام کا آئینہ دار، خصوصاً پہلا مرثیہ در حال زعفر جن۔ یہ ذخیرہ بھی ادب دوست حضرات کے مطالعہ کے قابل اور کتب خانوں کی زینت بننے کے لائق ہے۔ قیمت صرف دو روپیہ

دسویں کڑی

نگار نفیس قسط ماہ ستمبر ۱۹۵۱ء حضرت نفیس علیہ الرحمہ کے مع غیر مطبوعہ مراثی کا مجموعہ مع بلاک۔ یہ دسویں قسط اپنی نوعیت کی انتخاب ہی قیمت صرف دو

گیارھویں کڑی

مراثی میر قسط ماہ اکتوبر ۱۹۵۱ء میر تقی میر علیہ الرحمہ

مجموعہ مع سلام صفحات ۲۰۸ سائز ۲۰×۲۶/۱۶ مجلد مع خوشنما کور صاحبان ذوق کے ملاحظہ کے قابل مجموعہ ہے - قیمت مبلغ ۳/،

اطلاع

بارھویں (۱۲) قسط ماہ نومبر ۱۹۵۱ء پیش نظر جلد ۱ اسرار محسن قرار دی گئی ہے۔ چونکہ اس سلسلے کی پہلی قسط افکار تعشق جلد اول تھی جس میں کل مراثی حضرت تعشق غیر مطبوعہ تھے اس لیے تیرھویں (۱۳) قسط کا نام شروع سال ہونے کی وجہ سے افکار تعشق جلد دوم رکھا گیا ہے۔ اس جلد میں کل مراثی حضرت تعشق غیر مطبوعہ مہیا کیے جا رہے ہیں۔

ایک رنگ کے کہنے والے صرف دو مرثیہ گو لکھنؤ میں گزرے ہیں۔ ایک انیس دوسرے تعشق۔ لہذا کتاب طلب فرما کے ملاحظہ فرمائیے۔ قیمت صرف دو روپیہ (۲؍)

ادب دوست حضرات

ملاحظہ فرمائیں

اردو زبان اس دور میں کتنی دشوار منزلیں طے کر رہی ہے۔ اور کتنے مخالفین کا مقابلہ کر رہی ہے لیکن اس کی دلکشی اور ہر دلعزیزی کو عنقریب خوف ہے کہ مغلوب ہونا پڑے چنانچہ خدمت زبان و ادب کے خیال سے جو سلسلہ قائم کیا گیا ہے جس کی بارہویں قسط میں آپ یہ اعلان پڑھ رہے ہیں یا یہ زریں سلسلہ باقی رہنے کے قابل ہے۔ ہر ماہ میں اساتذہ کا غیر مطبوعہ کلام شائع کیا جاتا ہے۔ بکثرت شعرا کو زندہ کیا جا چکا ہے۔ اور انشاء اللہ زندہ کئے جائیں گے۔ لیکن بڑی ضرورت اس امر کی ہے کہ ممبران خصوصی یعنی وہ حضرات جو چندہ سالانہ مبلغ للعہ/ عنایت فرمانے کا وعدہ فرمائے ہوئے ہیں عطا فرمادیں۔ کیونکہ انجمن محافظ اردو بارہ قسطیں بھیج چکی ہے اور چندہ سالانہ وصول نہ ہو اور حضرات توجہ نہ فرمائیں۔ تو یہ زبان و ادب کی کھلی ہوئی بدقسمتی کہی جائے گی۔ آپ زیادہ سے زیادہ ممبر بنوائیے اور اپنا چندہ ارسال فرمائیے تاکہ یہ سلسلہ باقی رہے۔ حضرات یہ تعلّی نہیں ہے بلکہ ارادہ تو ہے کہ میں جب تک زندہ ہوں یہ سلسلہ باقی رہنا چاہیے۔ میں بہت زیادہ وقت عزیز خدمت میں صرف کرتا ہوں میرے بعد اہل ذوق کو ارمان رہے گا کہ کسی کا غیر مطبوعہ کلام طبع ہو اور ہم دیکھیں افسوس یہ ہے کہ حضرات کو بارہ قسطیں بھیج گئیں اور کم از کم بارہ خط بھی بھیج گئے مگر چندے کا کہیں سے نام نہیں ہے اور کوئی مدد نہیں چاہتا صرف خریداری سے امداد فرمائیے۔

خیر طلب

مہذب لکھنوی

انجمن محافظ اردو لکھنؤ کے ادبی خدمات

پہلی خدمت

(دور شاعری) صدر انجمن محافظ اردو حضرت تہذیب لکھنوی کی اپنی نوعیت کی سب سے پہلی کتاب ہے۔ جس میں اردو زبان کی خاص و عام غلطیاں مع تصحیح نادر انداز رنگ میں پیش کر کے اس کو انتہائی دلچسپ بنانے کی کوشش کی گئی ہے شعر و سخن کے معائب بھی دلکش پیرائے میں بیان کئے گئے ہیں اس کتاب کے مطالعہ کے بعد شعر میں فنی اور تقریر و تحریر میں زبان کی غلطی کا ایک بڑی حد تک امکان نہیں رہتا۔ جلد طلب فرما کے مطالعہ فرمائیے۔

قیمت مجلد صہ/ غیر مجلد للعہ/

دوسری خدمت

(دور تعشق) اس کتاب میں ناخدائے سخن حضرت تعشق مرحوم کا مختصر دیوان چند غیر مطبوعہ غزلیات و قصائد اور ایک غیر مطبوعہ مرثیہ مشتمل بر حال حضرت سید الشہداء شامل ہیں اس کے علاوہ اردو کا ایک لغت مرحوم کا بلاک اور ان کے سوانح حیات بھی شامل ہیں۔ جناب موصوف مدظلہ کے تقریباً چوالیس بند بھی ہیں جن میں معائب شعر نظم ہیں۔ قابل دید کتاب ہے۔

قیمت مجلد عہ/

غیر مجلد ۸؍